ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
۲۹ر جون ۱۹۹۲ء

○ اقامت دین کی جدوجہد میں خواتین کا حصہ
○ سندھ میں فوج کے علاوہ عقل کا استعمال بھی ضروری ہے
○ افغانستان... ایک لمحہ فکریہ

ساچی اینڈ ساچی

ہمارے حکمرانوں کے نئے ساتھی

"ساچی اینڈ ساچی" کے مالک عراق کے دو یہودی بھائی ہیں جن کا خاندان دوسری جنگ عظیم کے اختتام کے قریب بغداد چھوڑ کر برطانیہ آیا۔ وہاں ورلڈ زائنسٹ آرگنائزیشن (W.Z.O.) کی ہدایات کے مطابق انہوں نے ایڈورٹائزنگ کمپنی شروع کی اور ۱۹۹۱ء تک یہ اس شعبے میں دنیا کی بڑی بڑی کمپنیوں میں شامل ہوگئی تھی۔ کچھ عرصے سے W.Z.O. کی ہدایات کے تحت ساچی برادرز نے ایڈورٹائزنگ میں کام قدرے کم کر کے دوسرے شعبوں میں زیادہ دخل اندازی شروع کی ہے۔ یہ دوسرے شعبے کون سے ہیں؟۔ پاکستان کے ساتھ جو ٹھیکہ ہوا ہے (اور جس میں سیاحت کا فروغ بھی شامل ہے) اس دوسرے شعبے کی غمازی کرتا ہے۔

W.Z.O. نے ساچی اینڈ ساچی کو خلیجی بحران اور جنگ میں بڑا اہم کردار دیا ہوا تھا۔ اس کمپنی کے مالکان اور یہودی عہدیدار صدام حسین اور عراق کے اعلیٰ حکام کے ساتھ قریبی تعلقات رکھتے ہیں اور طارق عزیز کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت خصوصی تھی۔ نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ اب یہ کمپنی W.Z.O کی ہدایات کے مطابق پاکستان میں صیہونی کردار بڑے پیمانے پر ادا کرنے والی ہے۔ پاکستان میں سیاحت کا مرکز شمالی علاقہ ہے' وہاں سرینا لاجز (Serena Lodegs) کے نام سے قائم ہونے والے ہوٹل جو ٹورازم کی صنعت کے ساتھ پیوستہ ہیں' سب کے سب آغا خانیوں کی ملکیت ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ وہاں تخریب کاری کا عمل پہلے سے جاری ہے۔(تفصیل کے لئے دیکھئے اندرونی صفحات)

روزنامہ جنگ ۱۵ر جون کے شمارے میں ارشاد احمد حقانی صاحب کا ایک بہت ہی اچھا کالم ہمارے "آقاؤں" کے بارے میں چھپا ہے ۔ کالم ساتھ ہی روانہ کررہا ہوں۔

چونکہ تحریک خلافت کی جدوجہد دراصل اسی نظام کے خلاف ایک آواز ہے ۔ میرا مشورہ ہے کہ اس کالم کو نہ صرف ندائے خلافت میں جگہ دیں بلکہ اس پر مزید اپنی رائے کا اظہار بھی کریں تاکہ لوگوں پر واضح ہو کہ ہماری اصل غرض و غائت کیا ہے۔

ندائے خلافت کے بارے میں ایک اور مشورہ ہے ۔ اگر اسے ہفت روزہ کی بجائے پندرہ روزہ کردیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کیونکہ یہ "اخبار جہاں" تو ہے نہیں جس کی تصاویر دیکھ کر فارغ کردیا جائے ' ایک ہفتہ اس قدر مختصر ہوتا ہے کہ وقت گزرتے معلوم نہیں پڑتا ۔ ابھی ایک شمارہ مکمل نہیں ہوتا کہ دوسرا آجاتا ہے ۔ اگر کبھی پرچہ لیٹ ہوجائے تو پڑھتے ہوئے ایسے لگتا ہے جیسے گزرے ہوئے دن کا اخبار۔ انتظامی امور بھی آپ بہتر طور انجام دے سکیں گے اور معیار کو بھی مزید بہتر بنایا جاسکے گا۔

پرچے کا لے آؤٹ ' ٹائیٹل اور مضامین پہلے سے بہتر ہورہے ہیں ۔ خدا کرے اس کی سرکولیشن میں بھی اضافہ ہوسکے۔

سید محمد انیس لاہور

۸ر جون کا ندائے خلافت ملا ' شکریہ۔

اس میں یہ اشتہار پڑھا کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے نوائے وقت میں ہفتہ وار کالم لکھنا شروع کیا ہے۔ مجھے معاً ۲۹ر مئی بروز جمعہ کا کالم یاد آگیا۔ اسے میں نے بڑے شوق اور توجہ سے پڑھا تھا لیکن اس میں مجھے ایک مقام پر بڑی الجھن محسوس ہوئی جہاں ڈاکٹر صاحب نے انتخاب میں امید واری کو خلیفہ حضرت عثمانؓ کے انتخاب کے حوالے سے دو ٹوک انداز میں جائز قرار دینے کی کوشش فرمائی ہے وہاں انہوں نے لکھا ہے کہ

(باقی سرورق کے اندرونی جانب)

ساچی اینڈ ساچی

ہمارے حکمرانوں کے نئے ساتھی

مکرمی و محترمی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

امید ہے آپ اور آپ کے رفقاء خیریت سے ہوں گے۔ ۳۱ مئی کو آپ کے ساتھ ملاقات کر کے مجھے بہت مسرت ہوئی۔ ملاقات میرے لئے بہت مفید تھی۔ اگرچہ بہت سے اہم معاملات پر تفصیلی گفتگو نہ ہو سکی' اور ایک ملاقات میں یہ ممکن بھی نہیں' تاہم کئی نکات کی وضاحت ہو گئی۔ آپکے اعلیٰ مشن کا بھی مجھے بہتر احساس ہو گیا۔ انشااللہ رابطہ رہے گا۔

آپ نے ۲ جون کے اخباروں میں یہ خبر پڑھی ہو گی جو نوائے وقت میں مندرجہ ذیل سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی:

"وزیراعظم کے دورہ برطانیہ سے قبل 'ساچی اینڈ ساچی' کی خدمات حاصل کرلی گئیں"۔

"کمپنی سیاست' تجارت اور سرمایہ کاری کو بہتر بنانے میں مدد دے گی' پاکستان کا تاثر بھی بہتر بنائے گی"

میرا تبصرہ یہ ہے کہ بے نظیر بھٹو نے اپنے دور میں صیہونی مارک سیگل کو اسی قسم کا ٹھیکہ دیا تھا جس پر اس وقت وزیر اعلیٰ پنجاب نواز شریف اور ان کے مشیروں نے جن میں شاید حسین حقانی بھی شامل تھے جو اب وزیر اعظم کے مشیر خاص ہیں ' مارک سیگل کی یہودیت کو اجاگر کرکے اس ٹھیکے پر زور دار تنقید کی تھی۔ اب نواز شریف صیہونیت کی اس سے بھی بڑی علمبردار کمپنی کو ملک کے نام پر اپنے مفادات کی خاطر ٹھیکہ دے رہے ہیں!۔

"ساچی اینڈ ساچی" کے بارے میں مختصر معلومات مندرجہ ذیل ہیں:

اس کمپنی کے مالک دو بھائی ہیں ' جو عراق کے یہودی ہیں۔ ان کا خاندان دوسری جنگ عظیم کے اختتام کے قریب بغداد چھوڑ کے برطانیہ آیا۔ وہاں ورلڈ زائنسٹ آرگنائزیشن (W Z O) کی ہدایات کے مطابق انہوں نے ایڈورٹائزنگ کمپنی شروع کی اور ۱۹۹۱ء تک یہ اس شعبے میں دنیا کی اول نمبر کمپنی تھی۔ کچھ عرصہ سے WZO کی ہدایات کے مطابق ساچی برادرز نے ایڈورٹائزنگ میں کام قدرے کم کرکے دوسرے شعبوں میں دخل زیادہ شروع کردیا ہے۔ یہ دوسرے شعبے کون سے ہیں؟ یہ پاکستان کے ساتھ جو ٹھیکہ ہوا ہے (اور جس میں ٹورازم Tourism کا فروغ بھی شامل ہے) اس سے معلوم ہوجاتا ہے۔

WZO نے ساچی اینڈ ساچی کو خلیجی بحران اور جنگ میں بڑا اہم کردار دیا ہوا تھا۔ اس کمپنی کے مالکان اور یہودی عہدے دار صدام حسین اور عراق کے اعلیٰ حکام کے ساتھ قریبی تعلقات کے حامل ہیں۔ طارق عزیز کے ساتھ خصوصی تعلقات بتائے جاتے ہیں۔ نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ اب یہ کمپنی WZO کی ہدایات کے مطابق پاکستان میں صیہونی کردار بڑے پیمانے پر ادا کرنے والی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ پاکستان میں ٹورازم کا مرکز شمالی علاقہ ہے اور وہاں SERENA LODGES کے نام کے ہوٹل جو ٹورازم کے ساتھ پیوستہ ہیں سب آغاخانیوں کی ملکیت ہیں۔ وہاں تخریب کاری پہلے سے جاری ہے۔

اگر آپ مناسب سمجھیں تو عوام اور متعلقہ حکام کو خبردار کریں۔

مخلص۔ طارق مجید

جبل الطارق۔ لاہور

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

○

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت لاہور

جلد 1 شمارہ ۲۲-۲۳
۲۹ر جون ۱۹۹۲ء

○

مدیر
اقتدار احمد
معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

○

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور
مقامِ اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

○

پبلشر: اقتدار احمد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

○

قیمت فی پرچہ -/۳ روپے
سالانہ زرِ تعاون (اندرونِ پاکستان) -/۱۲۰ روپے

○

زرِ تعاون برائے بیرونِ پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۶ر امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۲ر " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۷ر " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۰ر " "

اس شمارے کی قیمت چار روپے

افتتاحیہ

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ...

ریوڈی جنیرو میں "الارض" کے عنوان سے کائنات کی اس چھوٹی سی اکائی میں ماحولیات کے مسائل پر جو بین الاقوامی کانفرنس حال ہی میں منعقد ہوئی' اس کے سربراہی اجلاس میں ۷۷ غیر ترقی یافتہ و ترقی پذیر ممالک کے گروپ کے صدر پاکستان کی نمائندگی وزیراعظم جناب نواز شریف نے کی۔ اس حیثیت میں عالمی رہنماؤں سے خطاب کرتے ہوئے پسماندہ ملکوں کی ترجمانی کا فریضہ انہوں نے ایک خوبصورت تقریر کے ذریعے ادا کیا جس کے آغاز میں ان کے تقریر نویس نے اپنے تئیں موضوع کی مناسبت سے قرآن مجید کی دو آیات کا حوالہ بھی دیا۔ وزیراعظم نے ان آیاتِ مبارکہ کا متن عربی میں پڑھا اور ترجمہ بزبان انگریزی کیا۔ قبل ازیں ایک موقع پر اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں مرحوم جنرل ضیاء الحق نے اسلامی ملکوں کی تنظیم کی نمائندگی کا حق ادا کیا تو اس فورم سے پہلی بار اللہ کا رفیع الشان کلام نشر ہوا تھا۔ اپنے سیاسی اتالیق کے اتباع میں میاں نواز شریف نے بھی اس روائت کو نبھایا ہر چند کہ وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی!

وزیراعظم نے جو پہلا حوالہ دیا وہ سورۃ الروم کی آیت ۴۱ کا اولین ٹکڑا تھا۔ "فساد ظاہر ہو گیا ہے خشکی اور تری میں لوگوں کے کرتوتوں کے باعث" اور آخری معنی خیز حصہ چھوڑ دیا "کہ مزا چکھایا جائے ان کو اپنے بعض اعمال کا تاکہ وہ باز آجائیں"۔ ماحول کی آلودگی کے ضمن میں اس آیت مبارکہ کے استعمال پر مکھی مارنے کے لئے توپ داغنے کی مثال صادق آتی ہے کیونکہ جس فساد کا ذکر اس میں آیا وہ اس ماحولیاتی ناسازگاری کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہمہ جہت و ہمہ گیر ہے جو کانفرنس کا موضوع تھی۔ بحر و بر میں رونما ہونے والے فساد نے آج جو بھیانک شکل اختیار کر لی ہے اس کی سورۃ الروم کے نزول کے وقت شاید کوئی جھلک ہی کہیں کہیں نظر آتی ہو تاہم اللہ تعالیٰ سے بہتر کون جانتا تھا کہ آسمانی ہدائت سے روگردانی اور فکر آخرت سے بے نیازی انسان کو آخر کار کس صورت حال سے دوچار کرنے والی ہے۔ آج بساط عالم پر ہر طرف افراتفری کا جو عالم ہے' جیسی آپادھاپی نظر آتی ہے' مار دھاڑ کی جو کیفیت طاری ہے اور زبردست کا ٹھینگا جس طرح کمزور کے سر پر ہے' دراصل یہی اس فساد کا نقشہ ہے جس سے خبردار کیا گیا تھا اور پوری سورۃ الروم اسی کے اسباب کی شرح ہے۔ انسان نے جنت ارضی کو جہنم بنا دیا ہے اور خود قرآن کو ماننے والے مسلمانوں کا طرز عمل بھی کچھ مختلف نہیں۔

کفار و مشرکین کا ذکر ہی کیا' غضب تو یہ ہے کہ توحید' معاد اور رسالت پر ایمان کے مدعی انسانوں نے بھی دنیا میں ظلم و تعدی کو سکہ رائج الوقت بنا کر بحر و بر میں جو فساد برپا کیا ہے اس کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں اور ہم اپنا ہی حال دیکھ لیں تو کسی اور جانب دیکھنے کی حاجت نہیں رہتی۔ ملک خداداد جسے امن و سلامتی کا گہوارا ہونا چاہیے تھا' آج فساد کی آماجگاہ بنا ہوا ہے اور وجہ اس کی صاف ظاہر ہے۔ ہم اللہ اور رسولؐ کی طرف سے کھلا اعلان جنگ وصول کرنے کے بعد بھی باغیانہ روش ترک نہ کریں تو امن و سلامتی کی خواہش سادگی نہیں' بے حیائی اور ڈھٹائی ہے۔ چند برس پہلے تک معاملے کی نوعیت ذرا مختلف تھی' ہم اس عہد کے مسئول تھے جو حصول آزادی کے عوض قوم نے اپنے اللہ سے کیا' پھر قرار داد مقاصد کی شکل میں کلمہ شہادت محض زبان سے ہی ادا کیا گیا تھا لیکن اب تو ہم شریعت باقاعدہ نافذ کر چکے ہیں۔ اس کے بعد بھی ہمارے لیل و نہار وہی رہیں جو پہلے تھے بلکہ بغاوت میں ہم پہلے سے بڑھ کر جری ہو جائیں تو ہمارے مقدر میں اس کے سوا کیا ہو گا جو ان دنوں دیوار پر لکھا پڑھ رہے ہیں۔

فساد کی سب صورتیں وطن عزیز میں قومی زندگی کے معمولات میں شامل ہو گئی ہیں اور اس کا سب سے بڑا مظہر--- ظلم ---- شب و روز ہر سطح پر ہوتا نظر آتا ہے۔ اخبارات ظلم و ستم کی لرزا دینے

(بقیہ صفحہ ۲۶ پر)

الہدیٰ

سورۃ البقرہ
(آیات ۱۰۶-۱۰۷)

جو کوئی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا اس کو بھلوا دیتے ہیں تو لے آتے ہیں اس سے بہتر یا اس کی مانند دوسری' کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے○

(کہ کسی آیت کو منسوخ کرنا یا اسے ذہنوں سے محو کر کے اس کی جگہ کوئی اور حکم نازل فرمانا اللہ کے علم کامل اور قدرت کاملہ کی بنیاد پر ہوتا ہے' یہود کی یہ وسوسہ اندازی بالکل بے بنیاد ہے کہ کسی آیت کو منسوخ کرنے یا کسی سابقہ حکم میں ردوبدل کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ معاذ اللہ اب تجربے کے بعد اللہ پر اپنی غلطیاں واضح ہو رہی ہیں اور وہ ان کی اصلاح کر رہا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو حکم پہلے دیا گیا تھا اس وقت وہی مناسب حال تھا اور اگر اب اللہ نے اس میں کوئی تبدیلی فرمادی اور نیا حکم نازل فرمادیا تو اب یہی زیادہ موزوں اور مناسب تر ہے۔ اس طرح اللہ در حقیقت اپنے بندوں کو خوب سے خوب تر کی طرف بڑھا رہا ہے)

کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی' اور نہیں ہے تمہارے لئے اس کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار○

(کہ یہود کے سینوں میں اگر اس بنا پر حسد کی آگ دھک رہی ہے کہ اللہ نے انہیں منصب امامت سے معزول کر کے کسی اور قوم کو یہ منصب جلیل عطا فرمادیا ہے اور وہ نسخ کے بارے میں سوال کر کے یا اسی طرح کے دیگر الٹے سیدھے سوالات کے ذریعے سادہ لوح مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول سے بدگمان کرنا چاہتے ہیں تو انہیں جان لینا چاہیے کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اور کل اختیار و اقتدار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ اگر تم نے اللہ کا دامن چھوڑ دیا اور سرکشی کی راہ اختیار کی تو زمین و آسمان میں تم اپنے لئے نہ کوئی حمایتی اور مددگار پاؤ گے اور نہ کوئی ٹھکانا اور جائے پناہ!)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

جوامع الکلم

اگر تم اللہ پر توکل کرو جیسا کہ اس پر توکل کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طور پر رزق عطا کرے گا جیسے کہ وہ پرندوں کو رزق عطا فرماتا ہے کہ وہ صبح کے وقت خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو اس حال میں لوٹتے ہیں کہ ان کے پیٹ بھرے ہوئے ہوتے ہیں

(کہ اگر بندہ فی الواقع اللہ پر توکل اور بھروسہ کرے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ اللہ اپنے بندہ کو فاقوں نہیں مارے گا۔ بلکہ جس طرح وہ ان پرندوں کو رزق عطا فرماتا ہے کہ جو صبح کو اپنے گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور بغیر اس کے کہ انہوں نے اپنے لئے پہلے سے رزق کا کوئی انتظام کیا ہو یا اس کے لئے کوئی منصوبہ بندی کی ہو شکم سیر واپس آتے ہیں' اسی طرح اللہ تمہارے لئے بھی رزق کا اہتمام فرمائے گا اور ان ذرائع سے تمہیں رزق مہیا فرمائے گا جہاں سے تمہیں گمان تک نہ ہو گا!)

(جامع ترمذی بروایت حضرت عمرؓ)

کسی کے ضمیر میں تو ایسی زور دار آواز اٹھنی چاہیے
کہ ناکامی کی ذمہ داری قبول کر کے استعفیٰ پیش کردے

ہر آپریشن الٹا کیوں پڑتا ہے؟

عبدالکریم عابد

آپریشن سندھ میں فوج کے علاوہ عقل کا استعمال بھی ضروری ہے

سندھ آپریشن کا پنچھی اڑنے بھی نہ پایا تھا کہ زخمی ہو کر گر پڑا۔ کہا جارہا ہے کہ آپریشن شروع ہونے سے پہلے ناکام ہوگیا لیکن اس ناکامی کی تلافی کر کے اسے کامیاب بنا دیا جائے گا۔ پہلے آپریشن کے بارے میں آئینی بحث تھی' اب اس کے اخلاقی جواز یا عدم جواز کی بحث ہے۔ نہ صرف آپریشن بلکہ فوج کے ادارہ کو بھی زبردست دھچکا لگا ہے۔ سوال یہ بھی ہے کہ اگر آپریشن ناکام ہے تو اس کے نتائج کیا ہونگے لیکن اگر آپریشن کی بساط لپیٹ دی جاتی ہے اور فوج الٹے قدموں واپس ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سندھ ہاتھ سے نکل جائے اور اس پر ڈاکوؤں' دہشت گردوں اور بیرونی ایجنٹوں کا راج قائم ہوجائے۔ تاہم آپریشن جاری رکھنا ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ پہلے ہی مرحلے میں جو ناکامی ہوگئی ہے' اسے کامیابی میں بدلنے کی کیا صورت ہے۔ یہ ایسا سوال ہے کہ اس کا بندھا ٹکا جواب ممکن نہیں۔ یہ بات طے ہے کہ حکمران ناکام ہوگئے ہیں اور کسی کے ضمیر میں تو ایسی موثر آواز اٹھنی چاہیے کہ اس ناکامی کی ذمہ داری کو قبول کر کے اپنا استعفیٰ پیش کردے۔

جام شورو کا واقعہ معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اگر درندہ صفت مجرموں کا کوئی گروہ کہیں سے دس افراد کو اٹھا کر لے جائے اور کسی جگہ انہیں قطار میں کھڑا کر کے گولی مار دے تو یہ ایک دہلا دینے والی واردات ہوگی مگر جام شورو میں جو ہوا' وہ اس سے بھی زیادہ لرزہ خیز ہے۔ اس کے سیاسی مضمرات قومی اور بین الاقوامی اہمیت کے ہیں۔

زمین کے جھگڑے میں ایک فریق کا آلہ کار بن کر وردی والوں نے دس افراد کو اغوا کیا' انہیں جام شورو لے جا کر گولی مار دی اور اس واردات کو ذرائع ابلاغ پر ایک "مثالی آپریشن" کی حیثیت میں پیش کیا گیا۔ پہلے انہیں ڈاکو بتایا گیا پھر بھارت کا ایجنٹ اور تخریب کار قرار دیا گیا۔ اس جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے مبینہ طور پر بمبئی کے قریب پونا شہر کا بنا ہوا اسلحہ کا ایک ذخیرہ بھی دکھایا گیا اور آخر میں اس خونیں ڈرامے کی اصلیت بے نقاب ہونے پر سب بغلیں جھانکنے لگے۔ مگر یہ اچھا ہوا کہ وزیراعلیٰ سندھ نے اسمبلی میں سچ بول دیا کہ یہ ہلاک ہونے والے تخریب کار نہیں' معصوم دیہاتی تھے۔ فوج کی قیادت نے اور بھی جرات سے کام لیا' صاف لفظوں میں اعتراف کیا کہ غلطی ہوگئی ہے جس میں ایک میجر بھی ملوث ہے اور غفلت برتنے پر علاقائی فوجی کمان کو تبدیل کیا جارہا ہے مگر اس اعتراف سے واقعہ کی سنگینی اور اس کے اثرات میں کمی نہیں ہوسکتی تھی نہ ہوئی ہے۔

معاملہ زیادہ سنگین اس لئے بھی ہوگیا ہے کہ جس شخص نے سازش کر کے یا بے وقوف بنا کر یہ کارروائی کرائی تھی' وہ یہ بتانے کے لئے زندہ ہی نہیں ہے کہ اس نے آپریشن کے ذمہ دار لوگوں کو کس طرح پھانسا۔ یہ شبہ کرنے کی معقول وجوہات ہیں کہ اس شخص کی موت بھی قتل کی ایک واردات ہے جو افشائے راز کے خوف سے کی گئی اور صرف اس ایک آدمی پر منحصر نہیں ہے' فوج کی حراست میں چار افراد نے دم توڑا ہے۔ اور یہ بات قابل فہم نہیں کہ سب اچانک حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے ہیں خاص طور پر جبکہ شہادتیں پیش کی جارہی ہیں کہ تمام مرنے والوں کے جسم پر تشدد کے نشانات تھے۔

اس قصے کا ایک اذیت ناک پہلو یہ ہے کہ بھارت بین الاقوامی سطح پر سندھ میں مداخلت کے متعلق ہماری شکایت پر کہہ رہا ہے کہ پاکستان کے

محافظین قانون خود ہی سب کچھ کرتے ہیں اور نام بھارت کا لے دیتے ہیں جیسا کہ اس قصے میں ہوا کہ بھارتی ایجنٹوں اور بھارتی اسلحہ کا ڈرامہ رچایا گیا جبکہ حقیقت کچھ اور نکلی ہے۔ جام شورو واقعہ سے بھارت کو پروپیگنڈہ کا نیا ہتھیار مل گیا ہے جبکہ بہی خواہان وطن مضطرب ہیں اور سندھ کے حالات میں اپنے آپ کو مزید ہزیمت گزیدہ اور زخم خوردہ محسوس کرتے ہیں۔

سندھ آپریشن کے متعلق ابتدا سے دو آراء تھیں۔ ایک خیال تھا کہ سندھ کے حالات بہت ابتر ہوگئے ہیں' آپریشن کا نشتر ضروری ہوگیا ہے اور اب بھی اگر کچھ نہیں ہوگا تو آئندہ کچھ کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہے گی۔ اس لئے کمر ہمت باندھ کر ضرب کاری لگانی چاہیے۔ اس خیال کے لوگوں نے فرض کر رکھا تھا کہ جونہی آپریشن کا آغاز ہوگا' ہر طرف ڈاکوؤں کی تڑپتی لاشیں ہونگی یا وہ پابہ زنجیر ہونگے' بیرونی تخریب کاروں اور دہشت گردوں کو گردن سے پکڑ لیا جائے گا' تاوان کے لئے اغوا کرنے والے قانون کی گرفت میں ہونگے اور عصبیت پرست تشدد پسندوں کی شامت آجائے گی مگر پہلے تو اس آپریشن کا شور ہی شور تھا جسے چیرا تو اس میں ایک قطرہ خون بھی نہ نکلا اور جب نکلا تو یہ عام دیہاتیوں کا خون ناحق تھا یا سرکاری اہلکاروں کا گندہ خون' جس نے عالمی سطح پر پاکستان کو ایک بار پھر مزید رسوا کیا ہے۔

اس آپریشن کی ساری کہانی یہ ہے کہ پہلے ٹھٹھہ کے قریب شاہ بندر کی کارروائی کے متعلق شبہات پیدا ہوئے کہ بھارتی ایجنٹ نہیں' بے گناہ لوگ مارے گئے ہیں اور روز بروز ان شبہات کو تقویت ملتی چلی گئی۔ اسی اثنا میں ایم کیو ایم کے ایک حب پر اسرار انداز میں پکڑے گئے' پر اسرار انداز میں رہا بھی کردئے گئے' مخدوم طالب المولیٰ' سہراب جتوئی اور نہ معلوم کن کن لوگوں کے گھروں پر چھاپے مارے گئے مگر کہیں سے کچھ برآمد نہیں ہوا اور برآمد ہوا تو اب جام شورو کا یہ الیہ برآمد ہوا ہے۔ اس الیہ سے پہلے ہی سندھ میں چیخ و پکار برپا تھی کہ مرکز کی طرف سے سندھ میں زبردست مار دھاڑ شروع ہونے والی ہے جس کی زد میں سیاسی مخالف آئیں گے یا بے گناہ لوگ اور یہ چیخ و پکار جاری تھی کہ جام شورو کے واقعہ نے آگ پر تیل چھڑک دیا اور سندھ کا ہیجان اپنے نقطہ عروج پر پہنچ رہا ہے۔ سندھ میں اگر لوگ اس امید پر اس آپریشن کی حمایت پر رضامند یا نیم رضامند تھے کہ کم بخت ڈاکوؤں سے نجات ہوگی تو وہ بھی سوچ رہے ہیں کہ یہ کیسا آپریشن ہے جس میں کسی ڈاکو گروہ کا تو بال تک بیکا نہیں ہوا لیکن غریب دیہاتی مفت میں مارے گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپریشن کے متعلق شبہات ظاہر کرنے والے لوگوں کی سوچ درست تھی۔ ایک تو اس لئے کہ گھوڑا گاڑی کے آگے نہیں باندھا گیا اور وہ گاڑی آگے رکھی گئی جسے غیر نمائندہ اور بدعنوان عناصر نے بنایا تھا۔ اس گاڑی کو جوں کا توں قائم رکھ کر اس کے پیچھے فوجی آپریشن کا گھوڑا باندھ دیا گیا۔ اس طرح کا گھوڑا کسی خندق میں ہی گر سکتا تھا۔ سندھ آپریشن سے پہلے پورے قومی پریس نے بیک آواز کہا کہ اس آپریشن سے پہلے سیاسی افہام و تفہیم کی ضرورت ہے' افہام و تفہیم پہلے ہو اور آپریشن بعد میں۔ یہی ترتیب صحیح رہے گی لیکن الٹی ترتیب پر اصرار کیا گیا اور اس کے الٹے ہی نتائج نکل سکتے تھے۔

اصل میں جب "سندھ آپریشن" کا فیصلہ کیا گیا تو یہ فیصلہ ہی اس بات کا ثبوت تھا کہ حکمرانوں نے سندھ میں "سب اچھا ہے" کی جو رپٹ لگا رکھی تھی' وہ جھوٹ ہے۔ اس کے برعکس ہر چیز سندھ میں غلط در غلط ہوگئی ہے اور ایک بڑے آپریشن کی مقتضی ہے مگر یہ آپریشن کس قانونی بنیاد پر ہو' کس حکمت عملی کے تحت ہو' کون کرے' اس کے بارے میں حکمران طبقہ میں تضاد خیالی تھی اور وہ کسی ایک نتیجہ پر نہیں پہنچ رہے تھے۔ چنانچہ آپریشن اسی تضاد خیالی کی فضا میں شروع ہوا

حکمران طبقہ کے اندر اس کے متعلق جتنے منہ اتنی ہی باتیں تھیں اور ان باتوں میں وقت گزرتا گیا۔ ڈاکو حضرات کچھ تو جج پر چلے گئے' کچھ دیار مغرب کو سدھارے اور کچھ نے دوسرے صوبوں اور شہروں میں پناہ تلاش کرلی۔ اس عرصہ میں ایم آر ڈی کی تحریک کے دوران آپریشن کا بھی تذکرہ ہوتا رہا' مشرقی پاکستان کے حوالے بھی آئے کہ ماضی کو نہیں دہرانا چاہیے۔ مشرقی پاکستان میں عقل استعمال کرنے کی ضرورت تھی' ہم نے فوج استعمال کی جس کے نتائج بھگتنے کے بعد قومی شعور حساس ہوگیا تھا اور دودھ کے جلے کی مانند چھاچھ بھی پھونک کر پینا چاہتا تھا لیکن اس احتیاط پسند شعور کا "سندھ آپریشن" پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ہمارے حکمران مصر رہے کہ اسے ہم سیاسی افہام و تفہیم کے بغیر بلکہ سیاسی محاذ آرائی کی فضا میں جاری کریں گے اور چٹکی بجاتے میں نتیجہ حاصل کر لیں گے۔

فوج استعمال کرنے کا اختیار ہر حکومت کے پاس ہوتا ہے۔ جمہوری حکومتیں بھی یہ اختیار استعمال کرتی ہیں۔ امریکہ نے لاس اینجلس کے حالیہ فسادات میں فوج استعمال کی مگر فوج کا استعمال نیک نیتی کے ساتھ قومی مقاصد کے تحت ہونا چاہیے' اسے کسی فرد یا گروہ یا ٹولے کے اقتدار کے لئے استعمال نہیں کیا جانا چاہیے اور فوج کے استعمال سے پہلے عقل کا استعمال ضروری ہے۔ جو لوگ اس پر اصرار کریں کہ ہم سیاسی عقل بالکل استعمال نہیں کریں گے' انہیں نہ فوج استعمال کرنے کا حق ہے نہ رینجرز' اور سچ پوچھئے تو ایسے لوگوں کی حکومت ہی ایک عذاب ہے۔ اس میں حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے اور ہر آپریشن الٹا پڑے گا۔

سابق ضیاء حکومت کے دور میں بھی یہ ہوا تھا کہ ایک آپریشن میں حیدر آباد کے قریب بہت سے بے گناہ دیہاتی مارے گئے۔ انہیں دہشت گرد قرار دیا گیا تھا۔ بعد میں انکشاف ہوا کہ ایک کارخانہ دار صاحب ان سے زمین خالی کرانا چاہتے تھے' انکار کرنے پر آپریشن کرادیا۔ بعد میں اس پر حکومت کو سخت پچھتاوا ہوا۔ ایک "گھانگری موری ٹریبونل" اصل واقعہ کی تحقیقات کے لئے بنایا گیا جس کی رپورٹ تیار ہوگئی مگر شائع نہیں کی گئی اور نہ ہی کسی کے خلاف کوئی کارروائی ہوئی۔

ایم آر ڈی کی تحریک کے دوران پولیس کی زیادتیوں کے کافی واقعات ہوئے۔ ان واقعات کے ردعمل نے بھی ڈاکوؤں کی تعداد میں اضافہ کیا اور اس طرح کے آپریشن اب بھی ملک دشمنوں' ڈاکوؤں اور ہمارے بیرونی دشمن بھارت کے لئے فائدہ مند ہونگے۔ اس لئے سوچ لیں اگر آپریشن کرنا ہے تو اس کی ترتیب صحیح کرلیں اور طے کر لیں کہ اس آپریشن کی ڈرائیونگ فورس کیا ہوگی اور اس میں شریف شہریوں کو شریک کرنے یا ان میں اعتماد پیدا کرنے کی کیا تدبیر ہوگی۔

یہ خیال بھی غلط ہے کہ ہر طرح کی سیاست کو بیک جنبش قلم منسوخ کر کے اور تمام سیاستدانوں کو برا قرار دے کر تنہا فوج سندھ کے حالات پر قابو پاسکتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ آج کل

بقیہ صفحہ ۲۶ پر

ہماری سیاست قومی سانچے میں نہ ڈھل سکی تو کیوں!

پاکستان کی قومی سیاست میں مذہبی جماعتوں کا کردار

ایجی ٹیشن میں سب سے موثر حصہ مذہبی جماعتوں کا رہا

ڈاکٹر اسرار احمد

(نوائے وقت کے شکریے کے ساتھ)

پاکستان کی قومی سیاست میں مذہبی جماعتوں کے کردار کے مثبت اور منفی پہلوؤں اور اس کے میزانیہ نفع و نقصان کے موضوع پر گفتگو سے قبل تین باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ ان میں سے دو باتیں تو سادہ بھی ہیں اور مختصر بھی، یعنی ایک یہ کہ یہاں سیاست کا وسیع تر مفہوم پیش نظر نہیں ہے بلکہ اس سے مراد صرف انتخابی سیاست ہے جس میں حصہ لینے والی جماعتیں الیکشن لڑ کر اس کے نتیجے میں حزب اقتدار یا حزب اختلاف کا کردار ادا کرتی ہیں اور دوسری یہ کہ اس گفتگو میں مذہبی جماعتوں سے مراد بھی صرف وہ مذہبی جماعتیں ہیں جو الیکشن میں براہ راست حصہ لیتی ہیں، دوسری مذہبی جماعتیں، خواہ ان کی سرگرمیاں کتنی ہی وسیع ہوں (جیسے مثلاً تبلیغی جماعت) اور وہ انتخابات پر بھی بالواسطہ اثر انداز ہوتی ہوں، اس گفتگو کے دائرے سے خارج ہیں۔

تیسری وضاحت جو کسی قدر تلخ بھی ہے اور تفصیل طلب بھی، یہ ہے کہ حقیقت واقعی کے اعتبار سے قومی سیاست کا وجود پاکستان کے ابتدائی چند سالوں کے بعد ہی ناپید ہوگیا تھا۔ اس کے بعد کی سیاست کو ملکی سیاست تو قرار دیا جاسکتا ہے، قومی نہیں! چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ اس عاجز کے سامنے جیسے ہی یہ موضوع آیا، اور اس نے اس پر اظہار خیال کے لئے غور شروع کیا، تو فوری طور پر ذہن اس روائتی لطیفے کی جانب منتقل ہوگیا کہ جب ایک ضعف بصارت کے مریض کو ڈاکٹر نے کرسی پر بٹھا کر سامنے کی دیوار پر آویزاں چارٹ پر درج عبارت پڑھنے کو کہا تو مریض نے پوچھا: "کونسا چارٹ؟" اور اس پر جب ڈاکٹر نے کہا: "وہ جو سامنے کی دیوار پر لگا ہوا ہے!" تو مریض نے سوال کیا: "وہ دیوار کہاں ہے؟" --- حقیقت یہ ہے کہ جینہ یہی معاملہ پاکستان کی قومی سیاست کا ہے کہ ع "ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے!"

اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ مسلم لیگ نے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کے عرصے کے دوران مسلمانان ہند کی عظیم قومی تحریک کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور پورے برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کا اس کے جھنڈے تلے جمع ہوجانا اتنا ظاہر و باہر اور اس قدر حتمی اور قطعی تھا کہ وقت کی برطانوی حکومت، انڈین نیشنل کانگرس ایسی عظیم سیاسی قوت اور جمعیت علمائے ہند ایسی با اثر مذہبی جماعت کی مخالفت کے علی الرغم پاکستان وجود میں آگیا--- لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس امر میں بھی ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اس عظیم قومی جدوجہد کے دوران بھی مسلم لیگ اصلاً صرف ایک "تحریک" کی حیثیت رکھتی تھی، اور اسے ایسی منظم جماعت کی حیثیت حاصل نہیں تھی جس کے رہنماؤں اور کارکنوں کی صفیں اور درجے (Cadres) مرتب اور معین ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی پاکستان قائم ہوا مسلم لیگ پر اضمحلال طاری ہوگیا۔ اس ابتدائی اضمحلال کی تلافی کے لئے یہ مصنوعی صورت اختیار کی گئی کہ مسلم لیگ کی صدارت اور ملک کی وزارت عظمیٰ کو ایک ہی شخص میں جمع کر کے قومی جماعت کو حکومت کا سہارا دیا جائے۔ لیکن ع "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" یعنی اس کے بھی برعکس نتائج برآمد ہوئے اور اس طرح مسلم لیگ کی عوامی جڑیں کمزور پڑتی چلی گئیں، یہاں تک کہ جلد ہی وہ صرف سرکار دربار کی زیبائش و آرائش کا ذریعہ بن کر رہ گئی۔

ادھر مسلمہ قومی قیادت کے منظر عام سے ہٹنے اور قومی جماعت کے کمزور پڑنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان کی ملکی سیاست صرف وڈیروں، جاگیرداروں، نوابوں اور قبائلی سرداروں کے ذاتی مفادات کا کھیل بن کر رہ گئی اور اس سے میدان سیاست میں جو دھما چوکڑی مچی اسے جواز بنا کر ۱۹۵۸ء میں پاکستان کی بری افواج کے کمانڈر انچیف نے حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی۔ وہ دن اور آج کا دن، پاکستان میں اقتدار کے دو مستقل ستونوں کی حیثیت فوجی اور سول بیوروکریسی کو حاصل ہے۔ رہے نام نہاد سیاستدان جن کی غالب اکثریت وڈیروں اور جاگیرداروں پر مشتمل ہے تو وہ اس اقلیم سیاست کے دوسرے درجہ کے شہری ہیں جو لیبل بدل بدل کر مختلف سیاسی جماعتوں کی صورت اختیار کرتے رہتے ہیں اور فلمی دنیا کے ایکسٹرا اداکاروں کے مانند منتظر رہتے ہیں کہ ایوان اقتدار کے اصلی قابضین میں سے کسی کی نگاہ کرم کب اور کس پر پڑتی ہے جو کچھ دیر کے لئے "جسے پی چاہیں، وہ سہاگن!" کے مطابق حریم اقتدار میں داخل ہوسکے۔

گویا اس تجزیے کے مطابق تو پاکستانی سیاست میں نام نہاد قومی سیاسی جماعتوں کا کردار بھی ثانوی ہے۔ تو "تا بہ دیگراں چہ رسد؟" اور ع: "قیاس کن زگلستان من بہار مرا!" کے

مصداق تیسرے نمبر پر شمار ہونے کے قابل علاقائی اور لسانی تنظیموں ' اور پھر ان کے بھی بعد چوتھے نمبر پر آنے والی مذہبی جماعتوں کے مثبت اور مستقل سیاسی رول کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے ۔ چنانچہ یہ اسی کا مظہر ہے کہ پاکستان کی چھیالیس سالہ تاریخ کے دوران صرف ایک مذہبی جماعت کے قائد نہایت مختصر مدت کے لئے پاکستان کے سب سے چھوٹے صوبے کے وزیراعلیٰ رہے اور وہ بھی ان لوگوں کے سہارے جو علماء دین کے لئے اعلانیہ طور پر نہایت رکیک اور توہین آمیز الفاظ استعمال کرتے رہتے ہیں ۔ اور ایک دوسری جماعت کو پاکستان کے سب سے بڑے شہر میں قابل لحاظ عرصے کے لئے اقتدار حاصل رہا لیکن صرف بلدیات کی حد تک!

البتہ ایک دوسرے اعتبار سے مذہبی جماعتیں پاکستان کی سیاست میں نہایت نمایاں اور موثر بلکہ فیصلہ کن کردار ادا کرتی رہی ہیں ۔ اگرچہ اس کے بارے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ رول مثبت اور مفید رہا یا منفی اور مضر!--- ہماری مراد مختلف مواقع پر اٹھنے والی احتجاجی تحریکوں سے ہے جن کے نتیجے میں وقتاً" فوقتاً" ایوان حکومت میں زلزلے آتے رہے اور پاکستان میں اقتدار کی مستقل مثلث زاویے بدلتی رہی ۔ چنانچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایوب خاں کے خلاف برپا ہونے والی ایجی ٹیشن میں بھی سب سے موثر کردار مذہبی جماعتوں کا تھا۔ بعد ازاں بھٹو صاحب کے اقتدار کے خاتمے کا سہرا بھی اصلاً مذہبی جماعتوں ہی کے سر تھا ' اور اسی طرح حال ہی میں ان کی بیٹی کی حکومت کے خاتمے اور پھر الیکشن میں شکست کا کریڈٹ بھی سب سے بڑھ کر مذہبی جماعتوں ہی کو جاتا ہے ---- اور اس کا سبب بھی بالکل واضح ہے کہ عوام کو قربانی پر آمادہ کرنے والا سب سے موثر جذبہ مذہبی ہی ہوتا ہے جس کے زیر اثر لوگ جانیں دے دینے کو سب سے بڑی کامیابی سمجھتے ہیں ' تو ظاہر ہے کہ ۔ "منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید۔ نا امیدی اس کی دیکھا چاہیے!" کے مصداق احتجاجی مہموں اور مظاہراتی سیاست کے لئے ایسے لوگوں سے بڑھ کر کون موزوں ہو سکتا ہے!

تاہم جیسے کہ عرض کیا جاچکا ہے اس رول کے مثبت یا منفی ہونے کا فیصلہ کرنا یا اس کا میزانیہ نفع و نقصان مرتب کرنا آسان کام نہیں ہے ۔ اس لئے کہ جہاں یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ان احتجاجی تحریکوں کے نتیجے میں ایسی حکومتوں کا خاتمہ ہوگیا جو مختلف طبقات کو مختلف وجوہات کی بنا پر ناپسند تھیں ' وہاں اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ اس سے نہ اسلام کو کوئی حقیقی اور واقعی فائدہ پہنچا ' نہ مذہبی جماعتوں ہی کو کچھ حاصل ہوا۔ بلکہ اینٹی ایوب ایجی ٹیشن کی کمائی بھٹو صاحب نے کھائی ' اور اینٹی بھٹو ایجی ٹیشن کا فائدہ جنرل ضیاء الحق نے اٹھایا۔ گویا ع " مرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے نوازی!" اس پر مستزاد یہ کہ ان تحریکوں کے نتیجے میں پاکستان میں سیاسی عمل کی گاڑی بار بار پٹڑی سے اترتی رہی ۔ جس کے باعث عوام کا سیاسی شعور بھی ناپختہ اور نابالغ (Retarded) رہا۔ اور سیاسی ادارے بھی مسلسل شکست و ریخت کا شکار ہوتے رہے!

پاکستان میں قومی سیاست کے ضعف یا فقدان کے اسباب کا ذرا گہرا تجزیہ کیا جائے تو اس کی تہہ میں یہ عقدۂ لاینحل (Dilemma) بھی کار فرما نظر آتا ہے کہ حصول پاکستان کی تحریک مسلم قومیت کی بنیاد پر چلی ' اور اس کے دوران عوامی سطح پر سب سے زیادہ زور دار نعرہ اسلام کا لگایا گیا--- لیکن جب پاکستان قائم ہوگیا تو ع " جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم تھا خزاں کا!" کے مصداق جو واقعی صورت حال اور ٹھوس حقائق سامنے آئے وہ یہ تھے کہ اس میں آباد لوگوں کی غالب اکثریت میں اسلام کے ساتھ ایک جذباتی وابستگی تو تھی لیکن سیرت و کردار اور اعمال و اخلاق کا حال ۔ <وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود۔ یہ مسلماں ہیں' جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!" کا مصداق اتم تھا یا اس سے بھی بڑھ کر ۔ < جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآں نہیں۔ ہے وہی سرمایہ داری بندہ مومن کا دیں" اور ۔ < جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں - بے ید بیضا ہے پیران حرم کی آستیں!" کی تصویر کامل! ___ بلکہ اس سے بھی زیادہ خوفناک صورت حال یہ تھی کہ عوام تو پھر بھی کم از کم عقیدے کی حد تک اللہ اور رسول' قرآن اور حدیث ' اور جنت اور دوزخ کے قائل تھے لیکن تعلیم یافتہ طبقات کا معتدبہ حصہ ' جو قومی معاملات میں فیصلہ کن اہمیت کا حامل تھا ۔ < ہم تو سمجھے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم - کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ ا> کا منہ بولتا ثبوت اور ع < میرے اسلام کو اک قصہ ماضی سمجھو ا> کی مجسم تصویر تھا--- اب ظاہر ہے کہ <جذبات> کے بل پر تو <تحریکیں> چلا کرتی ہیں ' سیاست میں تو اس کے بالکل برعکس ٹھیٹھ حقائق اور ٹھوس واقعات کی عکاسی ہوتی ہے - چنانچہ پاکستان کی چھیالیس سالہ تاریخ کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو وہ ایک جانب ان ہی ٹھوس حقائق واقعی اور دوسری جانب مذہبی جذبات اور امنگوں کی رسہ کشی کا مظہر نظر آتی ہے ۔ اور نصف صدی کے لگ بھگ کا عرصہ گذر جانے کے باوجود آج بھی اگر حالات و واقعات کے بین السطور چشم حقیقت بیں سے مشاہدہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک جانب ہمارے معاشرے کی عمومی اقدار ' اور تعلیم یافتہ اور مقتدر طبقات کے مجموعی تصورات اور رجحانات ہیں جن پر عہد حاضر کی عالمی تہذیب کے زیر اثر مادہ پرستی ' الحاد اور اباحیت کی گہری چھاپ ہے ' جن کا تقاضا ہے کہ ملک مغرب کے مروجہ تصورات کے مطابق وطنی قومیت کے اصول پر مبنی ریاست (Nation State) قرار پائے اور مغرب کے سیاسی اور اقتصادی نظام کو سماجی اور تہذیبی اقدار سمیت جوں کا توں اختیار کر لیا جائے ۔ اور دوسری طرف مذہبی طبقات اور سیاست کے میدان میں برسر عمل مذہبی جماعتیں ہیں جو عوام کے مذہب کے ساتھ جذباتی لگاؤ کے سہارے قانون شریعت کی تنفیذ اور اسلام کی تہذیبی اقدار کی ترویج کی جانب زور لگا رہی ہیں ۔

اس رسہ کشی کے ضمن میں مذہبی جماعتوں کا یہ دعویٰ تو یقیناً صحیح ہے کہ اگرچہ ہم پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام اور قوانین شریعت کے نفاذ میں تاحال کامیاب نہیں ہوسکے لیکن ہماری میزان نتائج میں نفع اور کامیابی کے پلڑے میں یہ وزن کیا کم ہے کہ ہم نے یہاں سیکولر نظام کی جڑیں بھی مضبوط نہیں ہونے دیں !---- لیکن قومی اور ملکی سطح پر یہ بات بہت قابل غور ہے کہ اس منفی کامیابی (اگر اسے کامیابی قرار دیا جاسکے!) کی قیمت اگر قومی سیاست کے تعطل (Stalemate) کی صورت میں ادا کی جاتی رہی تو شاید ملک ہی ع " آں قدح بشکست و آں ساقی نماند!" کے مصداق حصے بخرے (Balkanise) ہو کر ختم ہوجائے اور وہ شاخ ہی باقی نہ رہے جس پر نظام اسلام اور قانون شریعت کے آشیانے بنائے جاسکیں ۔ گویا اس رسہ کشی کے جاری رہنے میں اس بات کا بھی

بقیہ صفحہ ۲۶ پر

بھارت نے اپنے آٹھ صوبوں کی تعداد بڑھا کر ۳۲ کر دی

مگر ہم اب تک انگریز کی امانت سینے سے لگائے بیٹھے ہیں

(دوسری اور آخری قسط)

پاکستان کے وفاق کا معمہ اور اس کا حل

مرزا جواد بیگ

ماخوذ از جنگ کراچی (یکم جون ۱۹۹۰ء)

جمہوریت کی بقا

بغیر اس امر پر دھیان دیئے ہوئے کہ ہمارے ملک میں شروع ہی سے یا تو عمداً اور یا عدم واقفیت کی بناء پر ایسے حالات برقرار رکھے گئے ہیں جو سرے سے جمہوریت کی بنیاد ہی کی نفی کرتے ہیں۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں جمہوریت ناکام ہے۔ جمہوریت کے معنی "اکثریت کی حکومت" ہے مگر پاکستان کے آغاز ہی سے ایک صوبہ یعنی مشرقی بازو باقی تمام صوبوں کی جملہ آبادی پر عددی اکثریت کا حامل تھا اور اب مشرقی بازو کی علیحدگی کے بعد بھی ہو بہو وہی صورتحال برقرار ہے کہ ہمارے صوبہ پنجاب کی آبادی بقیہ تمام صوبوں کی مجموعی آبادی سے زیادہ ہے اور یہ کیسا ظلم ہے کہ کوئی بھی اس بنیادی حقیقت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا کہ ہمارے صوبوں کا یہ عدم توازن ہی نہ صرف جمہوری نظام کی نفی کر رہا ہے اور ملک میں عدم استحکام پیدا کئے ہوئے ہے بلکہ عوام میں شورش اور انتشار کا باعث اور ملک میں مارشل لاء کے روز روز کے نفاذ کا بنیادی سبب بھی ہے۔ جب ان جڑوں کا ہی وجود نہیں ہو گا جن کی بناء پر شجر جمہوریت پھلے پھولے تو پھر ہم جمہوری نظام کو کس طرح موردالزام قرار دے سکتے ہیں۔

خیال رہے کہ جمہوریت کبھی بھی کسی غیر متوازن نظام میں استحکام حاصل نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اگر ہم جمہوریت کے قیام میں حقیقتاً مخلص ہیں تو پھر ہمیں اپنے صوبوں کی از سر نو تنظیم کرنا ہوگی۔ انہیں چھوٹا اور ان کی تعداد میں اضافہ کر کے ان میں توازن پیدا کرنا ہو گا۔ حقیقت میں ہمارے نام نہاد سیاسی رہنماؤں نے ان آئینی اور انتظامی اجزاء اور عناصر کو یکجا ہونے کی اجازت ہی نہیں دی جو اصل میں جمہوریت کی بقاء اور اس کے استحکام کے ضامن ہیں۔

اصل میں صوبوں کا توازن اور ان کا تناسب ہی جمہوری اداروں کی بنیاد ہیں۔ ایک غیر متوازن نظام میں کسی بھی قسم کی یقین دہانی یا ضمانت اس بدگمانی اور شک و شبہ کی خلیج کو پاٹ نہیں سکتی جو غیر متوازن صوبوں کے عوام میں پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر ہم ایک غیر متناسب نظام ہی کو برقرار رکھنے پر مصر ہیں تو پھر ہمیں اسے ایک بیرونی غیر سیاسی طاقت کے ذریعہ باندھے رکھنا ہو گا ورنہ اس کے غیر متناسب حصے یقیناً بکھر جائیں گے۔ مگر اس قسم کی خارجی بندش نہ صرف یہ کہ جمہوریت کی نفی کرتی ہے بلکہ ایسا عمل صرف ایک پولیس اسٹیٹ میں ہی جائز اور ممکن ہے۔

یہ کیسی بد نصیبی ہے کہ لاعلمی اور سیاسی سوجھ بوجھ کے فقدان کے باعث ہمارے موجودہ سیاسی رہنماؤں نے پاکستان کے عدم استحکام و عوامی شورش' بے چینی اور مسلسل انتشار کے اصل وجوہات دریافت کرنے کی کبھی بھی کوشش نہیں کی اور وہ جمہوریت کے قیام' اس کے استحکام اور بقاء کے لئے زمین ہموار کئے بغیر چیخ چیخ کر اس کی بحالی کا مطالبہ کر کے معصوم عوام کو دھوکا دینے میں مشغول ہیں۔ یہ رہنما نہ تو تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ ہی جمہوریت کے عدم استحکام کی اصل وجہ دریافت کرنے کی زحمت گوارا کر رہے ہیں اور نہ ہی ان عوامل اور محرکات کا تجزیہ کر پائے ہیں جن کی بنا پر اگر ہم جمہوریت کے ذرا بھی نزدیک پہنچے تو وہ کبھی سول اور کبھی فوجی آمریت میں منتج ہو گئی۔

اضافی صوبوں کی مالیات

یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ بڑے بڑے اداروں میں محکمہ جاتی کاروائیوں میں ہمیشہ بڑا وقت ضائع ہوتا ہے جس سے رد عمل کا ایک ناپسندیدہ دائرہ حرکت میں آجاتا ہے اور محکمہ جاتی کاروائی میں بہت تاخیر ہونے لگتی ہے چنانچہ جوں جوں کوئی ادارہ بڑھتا جاتا ہے توں توں اندرونی کاروائی میں رکاوٹیں حائل ہوتی چلی جاتی ہیں اور محکمہ جاتی کارروائی میں مزید تاخیر ہونے لگتی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ایک بڑا ادارہ ست' ناکارہ اور بے قابو ہو جاتا ہے۔

اب جو لوگ محض سطحی نگاہ سے جائزہ لینے کے عادی ہیں وہ اس تجویز کے خلاف شاید یہ دلیل پیش کریں گے کہ اس طرح غیر پیداواری انتظامی اخراجات میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا تو اگر ہم اپنی یادداشت تازہ کریں تو معلوم ہوگا کہ جب ۱۹۵۶ء میں پاکستان کے مغربی بازو کی نو اکائیوں کو یکجا کر کے "ون یونٹ" میں ضم کردیا گیا تو انتظامی اخراجات بجائے کم ہونے کے ۲۰ فیصد مزید زیادہ ہوگئے تھے۔ اسی طرح جب ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان علیحدہ ہوگیا تو اس کے فوراً بعد مغربی پاکستان کی وفاقی حکومت کے انتظامی اخراجات میں بجائے نصف ہونے کے زبردست اضافہ ہوگیا چنانچہ منقسم پاکستان کے ۷۳-۱۹۷۲ء کے انتظامی اخراجات متحدہ پاکستان کے ۷۲-۱۹۷۱ء کے انتظامی اخراجات سے بھی ۲۷ فیصد زیادہ ہوگئے تھے۔

مندرجہ بالا حقائق سے یہ بات صاف واضح ہو جائے گی کہ اگر ملک کے خدوخال میں کسی بھی

سمت تبدیلیاں لائی جائیں یا تبدیلیاں کی ہی نہ جائیں بہرصورت انتظامی مشینری بغیر کسی قسم کے مفید نتائج کے برابر بڑھتی رہتی ہے اس کے برعکس اگر صوبوں کی جسامت گھٹا کر ان کی تعداد میں اضافہ کردیا جائے تو پھر انتظامی اخراجات میں برائے نام اضافہ کی تلافی ان لامحدود محاصل سے ہو جائے گی جو ان صوبوں کے غیر ترقی یافتہ علاقوں کی تیز تر ترقی اور وہاں کے لوگوں کی خوشحالی کے نتیجہ میں حاصل ہونگے۔ ساتھ ساتھ رقبہ میں کمی ہونے کی بناء پر انتظامیہ عوام کے نزدیک ہو کر زیادہ جوابدہ اور موثر ہو جائے گی۔ اس طرح عوام کے مسائل آسانی اور بہتر طور پر حل ہونے کی بناء پر وہ مطمئن اور پرسکون ہو جائیں گے اور اس طرح ان کی دیرینہ توقعات کی تکمیل ممکن ہو سکے گی۔

ایک فلاحی حکومت کے لئے روپیہ ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے اور اگر روپیہ بچانے کے عمل میں وہ اعلیٰ مقصد ہی فوت ہو جائے تو یہ ایک ناقص اقتصادی اقدام ہو گا۔ اصل مقصد تو عوام کا اطمینان اور ان کی بھلائی ہے اور یہ اطمینان اور سکون صرف اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے جب حکومت ممکنہ حد تک عوام کے نزدیک تر لائی جائے۔ چنانچہ حال ہی میں عدالت عالیہ کی سرکٹ بنچوں نے مختلف مقامات پر کام کرنا شروع کردیا ہے۔ لیکن باوجود انتظامی مصارف بڑھ جانے کے ہر شخص نے اسے اس لئے پسند کیا کہ اس طرح انصاف عوام کے نزدیک تر ہوگیا چنانچہ اگر انتظامی دفاتر اور اعلیٰ سطح پر فیصلہ کرنے والے صوبائی ادارے بھی عوام سے قریب تر ہو جائیں گے ' عوام میں سکون اور اطمینان پیدا ہوگا اور ملک میں امن و امان اور خوشحالی کا ایک نیا دور شروع ہو جائے گا۔

صوبہ جیسے اداروں میں جن کا تعلق انسانی مسائل سے ہے اکثر اوقات بچت نہیں ہوتی۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کارکردگی کا دائرہ بڑے بڑے اور وسیع علاقوں تک پھیلا ہوا ہو۔ لہٰذا بڑے صوبے ہونے کی وجہ سے کافی سے زیادہ رقم مواصلات اور سفر کے اخراجات کی مد میں خرچ ہو جاتی ہے۔ اول تو سرکاری ملازمین اجلاسوں میں شرکت اور عوام سے رابطہ کی غرض سے زیادہ تر وقت دوروں پر رہتے ہیں۔ ساتھ ساتھ عوام کو بھی اکثر اوقات اپنے کاموں کی

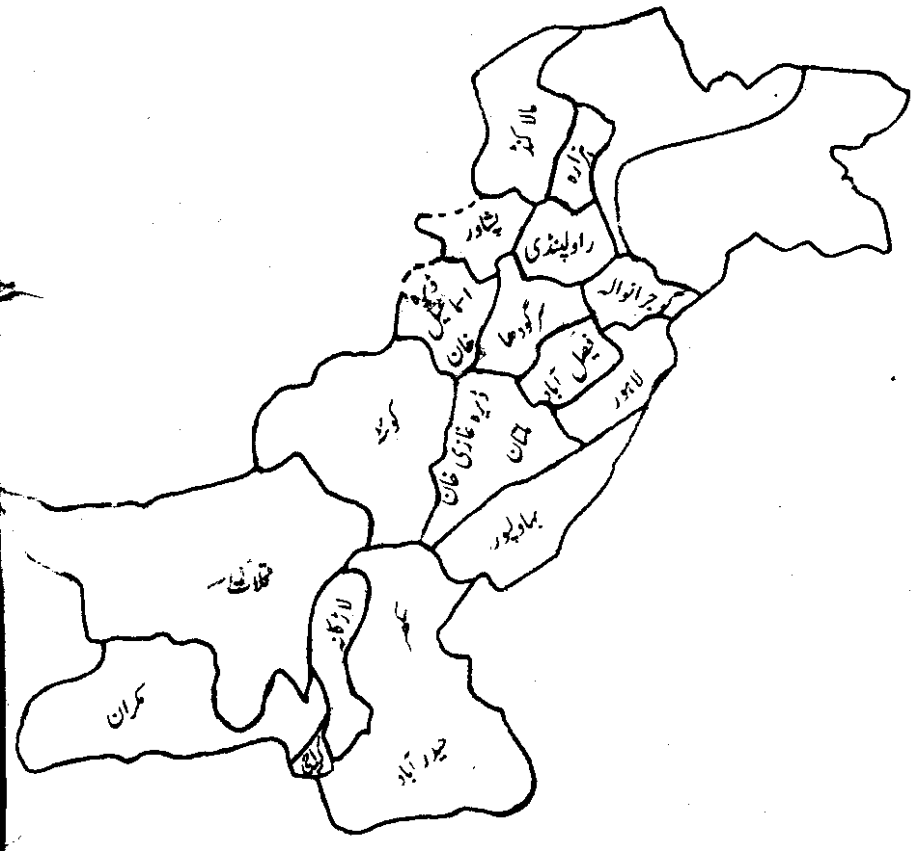

تکمیل اور مقدمات کی پیروی کے لئے صوبائی دارالحکومتوں کے چکر لگانے پڑتے ہیں لہٰذا صوبوں کا حجم کم ہو جانے کے باعث ہر دو جانب بچت میں یقیناً اضافہ ہو گا۔

علاوہ ازیں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ زیادہ صوبے اضافی علاقہ میں نہیں بلکہ موجودہ صوبوں کی حدود میں ہی بنائے جائیں گے۔ اس طرح اعلیٰ عہدوں مثلاً گورنروں ' ہائی کورٹ کے ججوں' چیف سیکرٹریوں وغیرہ کی تنخواہوں کی مد میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور ہو جائیگا۔ مگر اس کے مقابلہ میں چھوٹے صوبوں میں کام کی مقدار کم ہونے کی بناء پر کئی کئی محکموں کو آپس میں ضم کر کے بچت کی جا سکے گی۔ علاوہ ازیں موجودہ کمشنریوں کے دفاتر کو تھوڑے بہت ردوبدل اور اضافہ کے بعد بہ آسانی صوبائی دفاتر میں تبدیل کیا جا سکے گا۔

اب موجودہ دور کی پرفریب اور ناقص اقتصادیات کو سمجھنے کے لئے ہمیں مندرجہ ذیل اہم نکات کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ ہمارے صوبوں کے غیر معمولی عدم توازن کی بناء پر پاکستان کا وفاقی نظام شروع ہی سے غیر متوازن رہا ہے اور چونکہ اب ہماری صرف چار اور وہ بھی غیر متناسب اکائیاں ہیں اس لئے ان کے جدا ہونے اور بکھر جانے کا خطرہ ہمیشہ لاحق رہے گا۔ ایسی صورت میں ملک کے وفاق کو قائم اور برقرار رکھنے کے دو ہی ممکنہ طریقے ہیں۔

(الف)....چاروں غیر متناسب صوبوں کی سرحدیں جوں کی توں برقرار رکھنے کے لئے اپنے وفاق کو ایک غیر سیاسی طاقت کے ذریعہ مستحکم رکھے رہیں جیسا کہ فی الوقت کیا جا رہا ہے۔ تاکہ اس کے غیر متوازن حصے مرکز گریز قوتوں کے باعث الگ الگ نہ ہونے پائیں۔

☆.....یا.....☆

(ب)....موجودہ صوبوں کا رقبہ کم کر کے اور ان کی تعداد بڑھا کر اپنے وفاقی نظام میں اندرونی توازن قائم کردیں تاکہ اس غیر سیاسی بندھن کی ضرورت باقی نہ رہے جو فی الوقت غیر متوازن اکائیوں کو برقرار رکھنے کے لئے غیر فطری طور پر استعمال ہو رہا ہے۔

اب اگر ہم اپنے نظام (الف) کو برقرار رکھنا ہی چاہتے ہیں تو پھر موجودہ حالات کی طرح ہمیں اسے ہمیشہ کیلئے ایک غیر سیاسی بندھن میں قید رکھنا ہو گا تاکہ اس کے غیر متوازن حصے پہلے کی طرح بکھر کر ہمارا وفاقی نظام دوبارہ منتشر نہ کر دیں۔

اول تو یہ طریقہ فوج کی ہمہ وقت مداخلت اور عوام کی آزادی کو محدود کر دینے کے مترادف ہو گا دوسرے یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب ہم ملک کو مستقل طور پر ایک "پولیس اسٹیٹ" میں تبدیل کر دیں چنانچہ اس مقصد کے حصول کیلئے جو غیر سیاسی قوت ہم موجودہ حالات میں بار بار استعمال کرنے پر مجبور ہیں اس سے ملکی خزانہ پر مسلسل غیر پیداواری مصارف کی مد میں جو بے انتہا بار پڑ رہا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

اس کے برعکس اگر نظام (ب) کے تحت موجودہ چاروں غیر متناسب صوبوں کی از سرنو تنظیم کے ذریعہ انہیں چھوٹا اور متناسب بنا کر وفاق کے داخلی توازن کو بحال کر دیا جائے تو پھر متذکرہ بالا بیرونی طاقت کے استعمال کی ضرورت ہی باقی نہیں رہے گی جس کی بناء پر ملک کے غیر پیداواری مصارف میں زبردست بچت ہو سکے گی۔ علاوہ ازیں تاریخ کے ساتھ ساتھ ہمارا اپنا تجربہ بھی گواہ ہے کہ ایک شورش زدہ، غیر مستحکم اور غیر متوازن نظام کو محض طاقت کے ذریعہ برقرار رکھنے کی کوشش ہمیشہ ناکام رہی ہے۔

اصل میں بڑے بڑے بے ہنگم اور غیر متوازن صوبوں پر مشتمل وفاق کے مندرجہ بالا لامحدود مگر خفیہ مصارف کو اکثر لوگ شمار ہی نہیں کرتے اور محض لاعلمی میں موجودہ انتظامی اخراجات کا موازنہ ان اضافی اخراجات سے کرتے ہیں جو بادی النظر میں زیادہ تعداد میں صوبوں کی تخلیق کی صورت میں بڑھ جانے کا امکان ہے۔ اصل میں ازسرنو ترتیب اور تنظیم کا کام مکمل ہو جانے کے بعد یہ حقیقت صاف واضح ہو جائے گی کہ مجموعی طور پر ان انتظامی اخراجات میں نمایاں کمی واقع ہو گئی ہے جن کا تعلق ترمیم شدہ سیاسی نظام میں سماجی اور پیداواری شعبوں سے ہے۔

متذکرہ بالا بحث سے نہ صرف یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ صوبہ کے چھوٹے سائز کے باعث مقامی ترقی کی رفتار تیز تر ہو جاتی ہے بلکہ انتظامی معاملات میں ان کی موثر شمولیت اور مسائل کے جلد اور احسن طریقہ سے حل ہو جانے کی بناء پر عوام میں سیاسی اطمینان حاصل ہونے پر ان کا احساس محرومی بھی ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ محض سطحی نظر اصل انتظامی اخراجات اور صحیح اعداد و شمار کو دھوکے میں ڈال دیتی ہے۔ خاص طور پر اسلئے کہ وہ اس امر پر روشنی نہیں ڈال پاتی کہ روپیہ عوام کی ضروریات کی تکمیل کیلئے کس حد تک خرچ کیا جا رہا ہے۔

اس ردوبدل میں شروع شروع میں کچھ اضافی اخراجات ہونے ممکن ہیں مگر وہ اضافہ برائے نام ہی ہو گا۔ بہرنوع اس تنظیم نو کے بعد جو زبردست فوائد پوری قوم کو اطمینان اور سکون، قومی یکجہتی شر و فساد کے خاتمے، سیاسی استحکام، غلبہ کے خوف سے نجات، پسماندہ علاقوں کی تیز تر ترقی، عوام کی حکومت میں بھرپور شرکت اور ملک کی مجموعی ترقی اور خوشحالی کی شکلوں میں حاصل ہو سکیں گے اس کے پیش نظر عارضی اخراجات کے اس برائے نام اضافہ کو برداشت کر لینا یقیناً سودمند ہو گا۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنے قومی ناسور کے اصل سبب کو تسلیم کر لیں۔ یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اگر ہم اپنے موجودہ غیر متوازن صوبوں کو موجودہ صورت میں رہنے دیں گے اور موجودہ طریقہ کار کے مطابق اپنی انتظامیہ کو غیر نمائندہ رکھنے پر مصر رہیں گے تو پھر جمہوریت کے حصول کیلئے ہماری تمام تر کوششیں ہمیشہ رائیگاں جاتی رہیں گی۔ ہمیں بہرحال ملک میں خود مختار مقامی حکومتیں قائم کر کے انتظامیہ کو ان کی تحویل میں دینا ہو گا تاکہ وہ مقامی باشندوں کو جواب دہ ہو سکے۔ ساتھ ساتھ اپنے غیر متناسب صوبوں کی از سرنو تشکیل کر کے اپنے وفاق کو متوازن اور مستحکم بنانا ہو گا تاکہ عوامی مسائل اور مراحل مساوی طور پر تقسیم ہو کر علاقائی سطح پر ہی طے کئے جا سکیں۔ صرف اسی طرح ہم اپنے ملک میں جمہوریت کو دوام بخش کے روز روز کے انتشار اور آئے وقت کے مارشل لاء سے ہمیشہ کیلئے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ کیا ظلم ہے کہ آزادی کے ۴۳ سال بعد بھی ہمارے سیاسی رہنما عہد غلامی کے سیاسی، انتظامی اور سماجی وضع قطع تبدیل کئے بغیر ہمارے عوام پر نوکر شاہی کے ذریعہ سامراجی نظام کے عین مطابق حکومت کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ بڑی دیدہ دلیری سے انتظامیہ کو مقامی باشندوں کو جوابدہ بنائے بغیر ہی۔ موجودہ جابرانہ طرز حکومت کو "جمہوریت" کا نام دے کر ملک کے سادہ لوح عوام کو بیوقوف بنا رہے ہیں!

ملک کو مستقل عدم استحکام اور قوم کو روز روز کے انتشار اور قتل و غارت گری سے بچا کر انہیں ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن کرنے کا واحد اور یقینی طریقہ صرف یہ ہی ہے کہ ملک میں خود مختار "شہری حکومتوں" کا قیام عمل میں لا کر موجودہ چار غیر متناسب صوبوں کی جگہ متعدد چھوٹے صوبے بنا دیئے جائیں۔ صرف اسی طرح ہم عوام کی حکومت میں بھرپور شرکت اور اپنے وفاق میں اندرونی توازن اور تناسب پیدا کر کے ملک میں حقیقی جمہوریت کو دوام بخش سکتے ہیں۔

چھوٹے صوبوں کے چند فوائد

چار ایک بہت چھوٹا اور جفت عدد ہے۔ لہٰذا اگر سینٹ میں ہر صوبہ کی برابر کی نمائندگی ہو اور تمام فیصلوں کی منظوری وہاں لازمی قرار دے دی جائے تو کوئی بھی دو صوبے آپس میں مل کر سینٹ میں تعطل پیدا کر کے تمام کاروائی منجمد کر سکتے ہیں۔ جبکہ متعدد صوبوں کے قیام کے بعد ایسی صورتحال پیدا نہیں ہو سکتی۔

چھوٹے صوبوں کا مطلب زیادہ تعداد میں صوبے ہیں اور بڑی تعداد سے بڑے پن، آزادی، خودمختاری اور ایک بڑے خاندان کا تصور ابھرتا ہے۔

اکائیوں کی کثرت ایک دوسرے کے غیر ضروری رجحانات کو محدود کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔

کثیر تعداد میں چھوٹے صوبے ایک خاص قسم کا وفاقی خدوخال فراہم کرتے ہیں جس میں ہر قسم کے کھچاؤ، مسائل اور صعوبتوں کو مساوی طور پر برداشت کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور جس کی بناء پر متحدہ طور پر ان سے بہ آسانی نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ ایسے خدوخال اندرونی اور بیرونی دونوں صدمات کو جذب کرنے کی بہت صلاحیت رکھتے ہیں جس سے وفاقی نظام ممکنہ خطرات سے ہمیشہ محفوظ رہتا ہے۔

ہمارے بعض صوبے بڑے بڑے رقبے رکھنے کے علاوہ عظیم فوجی اہمیت کے حامل بھی ہیں۔ ان کی حدود نہ صرف ریل اور کھلے سمندر تک پھیلی ہوئی ہیں بلکہ متعدد غیر ممالک کی سرحدوں سے بھی ملی ہوئی ہیں جہاں دونوں طرف ایک ہی زبان بولنے والے اور ایک ہی ثقافت کے حامل لوگ رہتے ہیں۔ لہٰذا اگر ہم ان صوبوں کو چھوٹا کر دیں تو پھر ان میں ممکنہ مرکز گریز طاقتوں کا موثر طور پر مقابلہ کر کے ان کا بہتر طور پر تحفظ کر سکتے ہیں۔

چھوٹے صوبوں کو خواہ کتنی ہی خودمختاری دے دی جائے وہاں کے عوام کسی قسم کی علیحدگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے جبکہ زیادہ خودمختاری کے طلب گار بڑے بڑے صوبوں کے عوام (خاص طور پر ہمارے جیسے جغرافیائی پس منظر میں) بالآخر مکمل علیحدگی کی طرف راغب ہو سکتے ہیں جس کی مثال مشرقی پاکستان کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

چھوٹے صوبے زیادہ خودمختاری کے طلب گار ہونے کے بجائے مشترکہ مفادات کی تلاش میں ایک دوسرے پر زیادہ انحصار کریں گے۔ چنانچہ قومیتوں کے لایعنی نعرے ختم ہو جائیں گے اور وفاقی حکومت بہتر حالات اور پرامن ماحول میں ہر ایک سے رابطہ رکھ سکے گی۔

زیادہ تعداد میں چھوٹی اکائیوں کے درمیان اختلافات رائے کی بڑی گنجائش موجود ہوتی ہے اور اختلاف رائے جمہوریت کی روح ہے۔ اس کے برخلاف اکائیوں کی کم تعداد پورے نظام ہی کو خطرہ میں ڈال دیتی ہے اور پھر جمہوریت کی بقاء کے تمام راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔ ایسے نظام میں لازمی طور پر پہلے جابرانہ حکومت اور پھر مکمل آمریت قائم ہو جاتی ہے جس کا ہم خود بار بار مشاہدہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ علاوہ ازیں زیادہ اکائیوں کی صورت میں کئی صوبوں میں حزب اختلاف کی حکومت قائم ہو جانے کے باوجود بھی وفاقی حکومت موثر اور مستحکم رہ سکے گی اور ملک کے مجموعی نظام کو کسی قسم کا خطرہ لاحق نہیں ہو گا۔

چھوٹے صوبے تنازع کے علاقہ کو محدود کر دیتے ہیں۔ چنانچہ شورش اور کشمکش عام طور پر صوبہ کی حدود تک ہی محدود رہتی ہے اور دوسرے صوبے ان کا اثر قبول نہیں کرتے جس کی بناء پر مجموعی طور پر ملکی نظام پر امن اور مائل بہ ترقی رہتا ہے اور وفاقی حکومت نہایت اطمینان کے ساتھ بھرپور انداز میں اہم قومی اور بین الاقوامی مسائل اور امور پر اپنی توجہ مبذول کر سکتی ہے۔

چھوٹے صوبے زبان یا ثقافت کی بنیاد پر نہیں بنائے جائیں گے بلکہ کئی کئی صوبوں میں مشترکہ ثقافت اور ایک ہی زبان ہونا ممکن ہو گا۔ ایسی صورت میں صوبوں کے آپس میں تعلقات آج کی طرح منفی تصورات پر مبنی نہیں بلکہ عالمگیر تصور اور اقتصادی مفادات کے حامل ہوں گے۔ ساتھ ساتھ مقامی سیاست داں اور ان کے حواری لسانی اور ثقافتی بنیادوں پر لوگوں کے جذبات نہیں ابھار سکیں گے اور پھر انہیں اپنی کامیابی کیلئے سماجی اور اقتصادی ترقی کے شعبوں میں مثبت کارکردگی دکھانے پر مجبور ہونا پڑے گا۔

چھوٹے صوبوں میں لسانی اقلیتیں کم ہوں گی۔ اسطرح مقامی آبادی کی توجہ بہ آسانی صوبائی تعصبیت اور لسانی اختلافات سے ہٹا کر اہلیت کی جانب منتقل کی جا سکے گی اور موجودہ دور کا یہ رجحان کہ مقامی اکثریت ہم مذہب لسانی اقلیتوں کے مقابلہ میں اپنے ہم زبان غیر مسلموں کے ساتھ برادرانہ رویہ اختیار کرنا پسند کرتی ہے، ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ اس طرح معاشرہ کو آزاد کر کے ترقی اور خوشحالی کی موجودہ ناقابل عبور رکاوٹ بہ آسانی دور کی جا سکے گی۔

چھوٹے اور متعدد صوبوں میں مقابلہ کا ایک صحت مندانہ جذبہ فروغ پائے گا جس سے پیداوار میں اضافہ ہو گا اور بہتر اور اعلیٰ قسم کا مال تیار ہو سکے گا جس سے افراط زر کے موجودہ رجحان کی بالیقین روک تھام ممکن ہو گی۔ علاوہ ازیں متعدد صوبوں کے قیام سے لاتعداد ہنر مند، فنکار، کھلاڑی، سائنس دان، ماہرین معاشیات اور تعلیمات کے علاوہ محب وطن اور دیانتدار سیاستدان پیدا ہو سکیں گے۔

چھوٹے صوبوں سے علاقائی اقتصادی ناہمواری کا خاتمہ ہو جائے گا۔ صوبائی دارالحکومتوں کے نزدیک تر ہونے کی وجہ سے مضافاتی علاقوں میں ترقی کی حوصلہ افزائی ہو گی۔ چنانچہ تیز تر ترقی سے مال اور خدمات کی مانگ پیدا ہو گی اور روزگار کے لامحدود ذرائع پیدا ہو جائیں گے۔ معاشی ترقی کا دائرہ ہر طرف پھیل جائے گا اور علاقائی ناہمواریاں بڑی حد تک ختم ہو جائیں گی۔

چھوٹے صوبوں کی بناء پر حکومت کے معاملات میں عوام کی شرکت کئی گنا بڑھ جائے گی۔ منتخب نمائندوں اور نوکرشاہی کا بہ آسانی محاسبہ کیا جا سکے گا اور نزدیک ہونے کی وجہ سے عوام کی ان پر زیادہ موثر گرفت اور متواتر نگرانی ممکن ہو گی۔ چنانچہ ایسی صورت میں منتخب نمائندے مزید زیادہ عرصہ تک قومیتوں، زبان اور ثقافت اور کھوکھلے اور لایعنی نعروں سے عوام کو بیوقوف نہیں بنا پائیں گے۔ انہیں اپنے آپ کو سیاسی میدان میں قائم رکھنے کیلئے پھر سماجی اور اقتصادی شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دینے ہوں گے جو اب وقت کی اہم ضرورت ہے۔

چھوٹے صوبوں کی وجہ سے وقت، توانائی اور روپیہ کی زبردست بچت ہونے کے علاوہ، اہلیت کارکردگی اور احساس تحفظ کے نقطہ نظر سے بڑے فوائد حاصل ہوں گے۔ کیونکہ فاصلوں کی طبعی اور نفسیاتی دوری ختم ہو جائے گی۔

ہمارے صوبوں کی موجودہ ساخت محب وطن حقیقی اور دیانت دار قومی رہنماؤں کی تخلیق کے قطعاً منافی ہے۔ اس لئے کہ زبان اور ثقافت کی تنگ نظری اور صوبائی عصبیت سے پیدا شدہ رہنما اپنے اپنے صوبوں سے باہر دوسرے صوبوں کے عوام کا سامنا نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری موجودہ سیاسی قیادت دوہری شخصیت کی حامل ہے اور ان کا یہ رجحان ان کی اس حد تک خصلت بن گیا ہے کہ جب کبھی وہ کسی عوامی عہدہ پر فائز ہوتے ہیں تو وہ اپنے قول و فعل میں ڈھٹائی کی حد تک تضاد کا آزادانہ مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف چھوٹے صوبے بن جانے کے بعد چونکہ محاسبہ آسان ہو جائے گا اس لئے مقامی رہنماؤں میں نظم و ضبط اور خود اعتمادی پیدا ہو جائے گی اور پھر وہ ٹھوس پس منظر اور سماجی اور اقتصادی پروگرام کے تحت ہی میدان سیاست میں آ سکیں گے۔ چنانچہ چھوٹے صوبے ان تمام نامساعد حالات کا خاتمہ کر دیں گے جو ہمارے ملک میں محب وطن اور دیانت دار قومی رہنما پیدا کرنے میں ابھی تک رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ اس طرح گرگٹ کی طرح ہر دم رنگ بدلنے والے موجودہ نام نہاد رہنما غائب ہو جائیں گے اور پھر حقیقی، سچے اور مخلص رہنما سامنے آ کر ملک کی مجموعی فلاح اور ترقی کیلئے اپنا اپنا کردار ادا کر سکیں گے۔

چھوٹے صوبوں کی بناء پر مضافات سے شہروں کی طرف نقل مکانی کا موجودہ سلسلہ بڑی حد تک کم ہو جائے گا نتیجتاً" مضافاتی علاقوں میں جنہیں ابھی تک نظر انداز کیا جاتا رہا ہے ترقی کی رفتار تیز ہو جائے گی جس کی بناء پر وہاں معاشی سرگرمیوں میں اضافہ ہو جائے گا اور مقامی لوگوں کو اپنی اپنی آبائی رہائشوں کے قریب تر ہی روزگار کے وافر مواقع حاصل ہو جائیں گے۔

چھوٹے صوبوں کی نمائندہ حکومتیں نوکر شاہی کی بہت بہتر طریقہ سے نگرانی کر سکیں گی جو بڑے

بقیہ صفحہ ۲۶ پر

قرآن آڈیٹوریم پر خواتین کی حکمرانی کے ایک دن کی روداد

عورت کی اصلاح ہو جائے تو معاشرہ سنور جائے گا

تنظیم اسلامی کے حلقہ خواتین لاہور کا دوسرا سالانہ اجتماع

مرتبہ : امت الہادی

حلقہ خواتین تنظیم اسلامی کا دوسرا سالانہ اجلاس عام مورخہ یکم جون ۱۹۹۲ء بروز پیر بمقام ۱۹۱۔ اے اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں منعقد ہوا ۔ یہ اجلاس صبح ساڑھے آٹھ بجے تا دوپہر ایک بجے تک جاری رہا ۔ پچھلے سالانہ اجلاس کی نسبت خواتین کا یہ اجتماع اللہ کے فضل وکرم سے زیادہ منظم اور زیادہ کامیاب رہا۔

اجلاس سے قبل خواتین کے ایک بڑے حلقے میں کثیر تعداد میں دعوت نامے تقسیم کئے گئے -- پچھلے سالانہ اجلاس میں شرکت کرنے والی خواتین کے علاوہ لاہور کے بہت سے کالجوں اور سکولوں کی پرنسپل صاحبان کو بھی باہتمام دعوت نامے ارسال کئے گئے --- علاوہ ازیں تنظیم کی رفیقات نے اپنے اپنے علاقوں میں اپنے حلقہ تعارف میں شامل خواتین کو اس اجلاس میں شرکت کی پر زور دعوت دی ۔ خصوصاً" مرکز سے وابستہ کارکن خواتین نے اس اجلاس کو کامیاب بنانے کے لئے بہت محنت کی ۔ اللہ کے فضل سے ان کی یہ محنت رنگ لائی اور اس سالانہ اجلاس میں تقریباً ساڑھے پانچ سو خواتین نے شرکت کی ۔ اس دن قرآن آڈیٹوریم کی قریباً تمام نشستیں پر تھیں بلکہ بہت سی خواتین کو جگہ کی قلت کے باعث کھڑے رہنا پڑا۔ یہ بات بھی بڑی خوش آئند تھی کہ خواتین نے نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اجلاس میں شرکت کی اور نہایت توجہ و انہماک کے ساتھ تمام تقاریر کو سنا ۔ الحمد للہ کہ یہ ذوق و شوق اور جوش و خروش اجلاس کے اختتام تک برقرار رہا ۔ ہال کے اندر کا منظر تو قابل دید تھا ہی ' باہر سیڑھیوں کے پاس استقبالیہ کو نہایت خوبصورت انداز میں سجایا گیا تھا ۔ سٹال پر امیر تنظیم کی تمام تصانیف اور کثیر تعداد میں دروس و خطابات کے کیسٹس موجود تھے۔ انفارمیشن ٹیبل سے تمام خواتین کو کتب اور کیسٹس کی فہرستیں ' بیعت فارم ' پردے سے متعلق دو ورقہ ' اور تحریک خلافت کا فارم بھی مہیا کیا گیا ---

اجلاس کی کارروائی کا آغاز صبح ساڑھے آٹھ بجے ہوا۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد محترمہ بیگم ڈاکٹر اسرار احمد صاحبہ نے (جو حلقہ خواتین تنظیم اسلامی کی ناظمہ بھی ہیں) سورۃ الزمر کی چند آیات کا درس دیا--- درس سے قبل انہوں نے تمام خواتین کو خوش آمدید کہا اور اجلاس میں شریک تمام خواتین کا اس بات پر شکریہ ادا کیا کہ وہ اتنے گرم موسم میں اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لائیں۔ بعد ازاں انہوں نے مختصر الفاظ میں تنظیم اسلامی کے قیام کا مقصد خواتین کے سامنے رکھا اور اس کی دعوت کا خلاصہ بھی پیش کیا

اس سالانہ اجلاس کی مہمان خصوصی مولانا مودودی مرحوم و مغفور کی صاحبزادی محترمہ آپا حمیرہ صاحبہ تھیں---- انہوں نے قرآن پاک کی چند آیات اور بعض احادیث کے حوالے سے خواتین کو بہت ایمان افروز باتیں بتائیں ---- انہوں نے کہا کہ آپ کی کثرت تعداد کو دیکھتے ہوئے میری زبان پر یہ حدیث قدسی آ رہی ہے کہ :-

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں " واجب ہوئی میری محبت ان لوگوں کے لئے جو میری خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں ' میرے لئے ایک مجلس میں اکٹھے ہو کر بیٹھتے ہیں میری خاطر ایک دوسرے کی زیارت اور ملاقات کے لئے جاتے ہیں اور میری خاطر ایک دوسرے سے لین دین اور ملنا جلنا رکھتے ہیں "

انہوں نے ایک اور حدیث قدسی کے الفاظ ہمیں سنائے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ساتھ رہتا ہوں 'یعنی جیسا بھی وہ میرے بارے میں گمان کرتا ہے میں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں --- جب میرا بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اتنی ہی دیر اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں ' اور جب وہ مجھے اپنی کسی مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اس مجلس سے بہتر فرشتوں کی مجلس میں یاد کرتا ہوں"---

انہوں نے کہا کہ انسانی زندگی کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں صرف اور صرف امتحان کے لئے بھیجا ہے اور اسے ایک وقت مقررہ تک کے لئے آزمایا ہے کہ وہ اس دنیا سے اپنے لئے خیر اور بھلائی سمیٹ کر لے جاتا ہے یا شر اور برائی کے ساتھ میدان حشر میں حاضر ہوتا ہے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کا ایک بہت پیارا قول بھی سنایا کہ " حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا وزنوا ! قبل ان توزنوا ! ترجمہ : اپنا حساب کر لو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کو تولو اس سے پہلے کہ تمہارے اعمال تولے جائیں۔

مہمان اسپیکرز میں اے بلاک ماڈل ٹاؤن میں رہائش پذیر علاقے کی مشہور و معروف لیڈی ڈاکٹر محترمہ فرخ رفیع صاحبہ کا نام بھی شامل تھا ۔ انہوں نے "عورت اور معاشرتی برائیوں" کے موضوع پر نہایت مفید باتیں خواتین کو بتائیں ۔ انہوں نے کہا کہ اگر معاشرے میں عورت کی اصلاح ہوجائے تو قوم کا مستقبل سنور جائے گا اور ہم ایک بہترین قوم پیدا کر سکیں گے --- انہوں نے بچیوں کی دینی تربیت پر خصوصی زور دیتے ہوئے کہا

ہ مستقبل میں اس قوم کی امانتیں انہیں کی گودوں میں پرورش پائیں گی اور دینی تعلیم و تربیت سے آراستہ مائیں ہی اپنے بچوں کو صحیح نہج پر پرورش کرسکیں گی ۔ انہوں نے بتایا کہ میرے پاس بچے کی پیدائش کے فوراً بعد والدین بچے کا برتھ سرٹیفیکیٹ لینے آتے ہیں کہ ہم نے آج سے ہی اس بچے کا نام فلاں انگلش سکول میں رجسٹر کروانا ہے کیونکہ بعد میں وہاں داخلہ ملنا بہت مشکل ہوجاتا ہے ' تو میں ان سے کہتی ہوں کہ آپ کو چاہیے کہ اس بچے کا نام کسی بہترین اکیڈمی یا کسی اچھی درس گاہ میں درج کروائیں تاکہ وہاں آپ کے بچے کی اخلاقی اصلاح اور دینی تربیت ہو سکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیاوی تعلیم بھی بے حد ضروری ہے مگر اس سے پہلے کہ بچہ یا بچی اپنی پختہ عمر کو پہنچیں ان کی دینی تربیت کا اہتمام بھی از حد ضروری ہے۔

ساڑھے گیارہ بجے چائے کا وقفہ ہوا ۔ اس کے بعد امیر محترم کا خطاب تھا ۔ انہوں نے نہایت موثر انداز میں اور عام فہم اسلوب میں دین کی باتیں خواتین کے سامنے رکھیں۔ دبیز پردے کی ایک سکرین ان کے اور خواتین کے درمیان حائل تھی۔ (ان کا مکمل خطاب اسی شمارے میں علیحدہ سے پیش کیا جارہا ہے)

بعد ازاں مندرجہ ذیل خواتین نے بھی سٹیج پر آکر مختصر وقت میں مختلف موضوعات پر گفتگو کی ۔ جگہ کی کمی کے باعث صرف ان کے نام ہی دیئے جاسکتے ہیں ۔ بیگم ڈاکٹر نجیب الرحمٰن صاحبہ' بیگم ڈاکٹر ظفر صاحبہ' بیگم ڈاکٹر خالد حمید ضیغم صاحبہ بیگم محمود عالم میاں صاحبہ ' محترمہ زرین عبدہ صاحبہ ' محترمہ مومنہ انعام صاحبہ اور محترمہ ساجدہ فاروق صاحبہ ۔

تقریباً ڈیڑھ بجے ہمارا یہ سالانہ اجلاس عام اپنے اختتام کو پہنچا۔ اجلاس کے آخر تک تمام خواتین کی دلچسپی اور انہماک برقرار رہا ۔ آخر میں ناظمہ صاحبہ نے تمام خواتین کا اور خصوصاً" تنظیم اسلامی کی کارکن رفیقات کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اپنی اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے نبھائی تھی ۔ انہوں نے خواتین کو سورۃ الرعد کی ایک آیت ہدیتہً پیش کی کہ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیر وا ما با نفسھم ۔انہوں نے کہا کہ جب تک ہم انفرادی طور پر اپنی اپنی اصلاح نہیں کریں گے ہم اس ملک میں صحیح اسلام کیسے لاسکیں گے ؟ اور کسی دوسرے کو اسلام کی طرف کیونکر راغب کرسکیں گے؟ لہٰذا ہم میں سے ہر عورت اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرے اور یہاں سے دین کی جو باتیں ہم سن کر جائیں اس پر عمل کا ہم ارادہ کر کے یہاں سے اٹھیں۔

اس اجلاس کے موقع پر قرآن اکیڈمی کی انتظامیہ خصوصاً" سراج الحق سید صاحب اور اشرف بیگ صاحب نے انتظامات میں خواتین کے ساتھ بھرپور تعاون کیا ۔ انہوں نے خواتین کو اجتماع گاہ میں ممکنہ سہولیات مہیا کیں ۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزاء عطا فرمائے (آمین)

کوپن برائے سالانہ رششماہی رسہ ماہی خریداری

میں ہفت روزہ "ندائے خلافت" کا سالانہ رششماہی رسہ ماہی خریدار بننا چاہتا ہوں رچاہتی ہوں ۔ براہ مہربانی درج ذیل پتہ پر پرچہ جاری کردیجئے۔ زرتعاون کی رقم مبلغ -------- روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال خدمت ہے۔

نام ....

پتہ ....

نوٹ:(رقم ہفت روزہ "ندائے خلافت" ۳۶کے ماڈل ٹاؤن لاہور کے پتہ پر ارسال کی جائے)

KT **KHALID TRADERS**
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

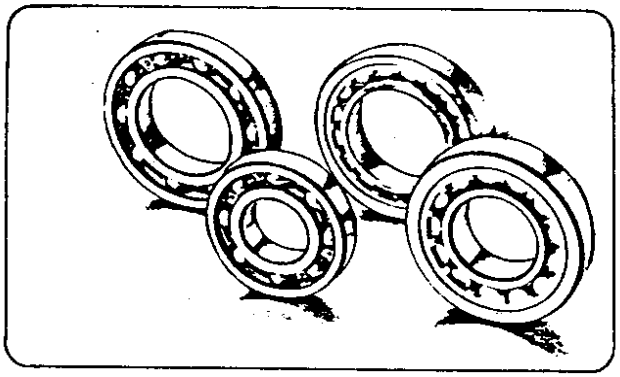

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

اقامت دین کی جدوجہد میں خواتین کا حصہ

اپنے مردوں کو محاذ کے لئے فارغ کیجئے

حضرت خنساءؓ نے آپ کے لئے ایک درخشاں مثال چھوڑی ہے

تنظیم اسلامی کے حلقہ خواتین کے دوسرے سالانہ اجتماع میں امیر تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب

مرتبہ: ریاض الحق

ہمارا تنظیم اسلامی کے حلقہ خواتین کا سالانہ جلسہ عام ٹھیک ایک سال بعد ہو رہا ہے۔ پچھلے سال یہ ۲ جون کو ہوا تھا اور اس سال یکم جون کو ہو رہا ہے۔ پچھلے سال میں نے جو تقریر کی تھی وہ بعد میں میثاق میں شائع ہوئی، پھر اس کو کتابچے کی شکل میں بھی شائع کردیا گیا تھا جو یہاں تقسیم کردیا گیا ہے۔ میری پچھلے سال کی تقریر کا اصل موضوع یہ تھا کہ ایک مسلمان پر اس کے دین کی طرف سے اصل ذمہ داریاں کیا ہیں؟۔ ہمیں ان ذمہ داریوں کا صحیح شعور ہونا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ جو ہماری صحیح ذمہ داری ہے اس کا شعور نہ ہونے کی وجہ سے کوتاہی ہوجائے۔ اور ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ ہم خواہ مخواہ اپنے ذہن پر ایسی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈال لیں جو فی الواقع ہمارے دین نے ہم پر عائد نہ کی ہوں۔ ان دونوں اعتبارات سے اس خطاب کا موضوع بہت اہم ہے۔ اس ضمن میں میں نے تفصیل سے عرض کیا تھا کہ دینی ذمہ داریوں اور فرائض کا جو بنیادی خاکہ ہے وہ مردوں اور عورتوں کے لئے مختلف نہیں ہے۔ اس میں جو بنیادی منزل ہے یعنی اسلام کے بنیادی تقاضے، دین کے فرائض و عبادات، شریعت کے حلال و حرام، ان میں مردوں اور عورتوں کے مابین کوئی فرق نہیں۔ صرف خفیف سا فرق ہے مثلاً مردوں کے لئے نماز باجماعت ہے اور خواتین کے لئے اپنے گھروں میں نماز ادا کرنا زیادہ افضل ہے بلکہ گھروں میں بھی صحن سے بہتر ہے دالان میں اور دالان سے بہتر ہے کہ کمرے میں نماز ادا کریں۔ اس لحاظ سے گویا کہ پہلی ہی منزل سے تھوڑا سا فرق شروع ہوجاتا ہے۔

اقامت دین میں مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریوں میں فرق ہے

دوسری منزل دعوت و تبلیغ کی ہے جو کہ پوری امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے۔ ختم نبوت کے بعد اب یہ پوری ذمہ داری مسلمانوں کی ہے۔ تاہم اس سلسلے میں مردوں اور عورتوں کے مابین بڑا فرق ہے۔ عورتوں کے ذمے صرف یہ ہے کہ وہ اپنی رشتہ دار خواتین میں یا اپنے محرم مردوں تک تبلیغ دین کریں۔ اس سے آگے بڑھ کر اس دائرے کو وسیع کرنا اور اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو داؤ پر لگا کر اس میں خوا مخواہ وقت لگانا کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ اس سے اگلی منزل اقامت دین کی منزل ہے اور اس سطح پر آکر مردوں اور عورتوں کے مابین خاصا بنیادی فرق ہوجاتا ہے کیونکہ یہاں در حقیقت خواتین کا زیادہ حصہ بالواسطہ ہے۔ وہ اپنے مردوں کو زیادہ سے زیادہ سہولت فراہم کریں کہ وہ ہمہ تن اور پوری دلجمعی کے ساتھ اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف ہوں اور جو ان کے فرائض اور جماعتی زندگی کی ذمہ داریاں ہیں ان کو ادا کرتے رہیں۔ اس ضمن میں مجھے کچھ زیادہ عرض نہیں کرنا کیونکہ اس کے متعلق کتابچہ تقسیم کردیا جائے گا۔ لیکن ہوسکتا ہے کچھ خواتین زیادہ پڑھی لکھی نہ ہوں اور انہیں اس کے پڑھنے اور سمجھنے میں زیادہ دقت محسوس ہو تو وہ اپنی کسی پڑھی لکھی خاتون سے کہیں کہ وہ ان کو پڑھ کر سمجھا دے۔ اس سے دوہرا فائدہ ہوگا۔ ایک یہ کہ وہ خود بھی سمجھ لیں گی اور وہ جو تعلیم یافتہ خاتون ہے اس کے لئے بھی ایک موقعہ ہوجائے گا کہ وہ پوری توجہ کے ساتھ اس کتابچے کو پڑھے۔ تنظیم اسلامی میں شامل خواتین کے لئے تو یہ بہت ہی بنیادی اور اساسی کتابچہ ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

موجودہ حالات میں دین کے تقاضے

آج میں ایک دوسرے زاویئے سے بات کررہا ہوں اور وہ یہ کہ جو حالات اب دنیا میں پیش آنے والے ہیں ان کے بارے میں قرآن و سنت کے اندر جو نشان دہی ہے اس کے حوالے سے ہم بات سمجھنے کی کوشش کریں کہ مسلمان کہاں کھڑے ہیں اور آئندہ ان کو کیا خطرات اور خدشات در پیش ہیں۔ ہمارا جو تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع ہوا تھا اس میں میں نے اسی آڈیٹوریم میں دو تقریریں کی تھیں جن میں سے ایک میں امت مسلمہ کے ماضی پر گفتگو ہوئی تھی اور دوسرے دن دوسری تقریر میں اس کے مستقبل کے بارے میں بات کی۔ اس کے کیسٹ موجود ہیں اگرچہ کہ وہ تقریر ابھی کتابی شکل میں نہیں آئی۔ اس وقت میں اس کا خلاصہ عرض کررہا ہوں جس میں چار باتیں گن کر نوٹ کرلیں۔ سب سے پہلی بات جس سے قرآن مجید کا شاید ہی کوئی صفحہ خالی ہو یہ ہے کہ قیامت بہرحال آکر رہے گی۔ یہ جو کچھ دنیا

، اس کی چلت پھرت ' اس کی رونقیں ' اور یہاں کی زیبائش و آرائش ہمیں نظر آتی ہے اس کے بارے میں سورۂ کہف میں فرمایا گیا " انا جعلنا ما علی الارض زینتہ لھا لنبلو ھم ایھم احسن عملا " کہ ہم نے ساز و سامان دنیوی کو زیبائش بنا دیا ہے تمہارے آزمانے کے لئے ۔ اس کو دیکھ کر ہمیں یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ شاید دنیا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ چلتی رہے گی ۔ لیکن ہمارے دین کا بنیادی تقاضا ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ قیامت تو آکر رہے گی ۔ اب جو کچھ حالات ہیں ان کو ان آثار کی روشنی میں دیکھیں جو احادیث نبویہ میں آئے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ آخری مرحلہ اب زیادہ دور نہیں ہے جب یہ سب کچھ تلپٹ ہوجائے گا ۔ یہ نظام درہم برہم ہوجائے گا ۔ یہ زمین زمین نہیں رہے گی ' یہ آسمان آسمان نہیں رہے گا جیسے فرمایا " یوم تبدل الارض غیر الارض والسموت " آسمان اور زمین کی ہیئتیں بدل جائیں گی ۔ قیامت ایک اٹل واقعہ ہے اور آکر رہنے والی بات ہے ۔ اس سے پہلے جو خبر دی گئی ہے اس کے لئے میں نے آپ کو سورۂ نور کی آیت بھی سنائی اور بعض احادیث میں صراحت کے ساتھ اس کا تذکرہ موجود ہے ۔ وہ یہ کہ پوری دنیا میں قیامت سے پہلے اسلام کا غلبہ ہوگا اور اس کا بول بالا ہوگا۔ ساری دنیا میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا نظام قائم ہوگا ۔ اس کے بارے میں ہم نے احادیث کو ندائے خلافت کے ذریعے بھی عام کیا ہے ۔ان احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور سے لے کر قیامت تک کے پانچ ادوار کو بیان کیا ہے ۔

بعثت محمدی سے قیامت تک کے پانچ ادوار

پہلا دور دور نبوت ہے ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں تمہارے درمیان رہوں گا جب تک اللہ چاہے گا ۔ پھر وہ مجھے اٹھا لے گا اور دور نبوت ختم ہوجائے گا ۔ پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور آئے گا ۔ پھر ایسی ملوکیت کا دور آئے گا جو کاٹ کھانے والی (کٹ کھنی) ہوگی ۔ پھر چوتھا دور مجبوری کی حکومت کا آئے گا ۔ اس میں غالباً" اسی دور کی طرف اشارہ ہے جو ختم ہوچکا ہے یا ختم ہو رہا ہے یعنی مسلمانوں پر دوسری قوموں کی حکمرانی اور غلامی کا دور ۔ اس کے بعد پانچواں اور آخری دور پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا ہوگا ۔ جیسا کہ سورۂ نور کی اس آیت مبارکہ میں فرمایا جو کہ ابھی میں نے آپ کو سنائی کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ مسلمانو تم میں سے جو لوگ ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کریں گے وہ انہیں زمین کی خلافت ضرور عطا کرے گا اور ان کے دین کو تمکن اور غلبہ عطا فرمائے گا ۔ مسلمان بے خوف ہوجائیں گے ' انہیں کوئی اندیشہ نہیں رہے گا ۔ اندیشے اور خوف کی کیفیت امن سے بدل جائے گی ۔ پھر میری ہی بندگی اور اطاعت ہوگی ۔ سیاسی ' سماجی اور انفرادی سطح پر ہر میدان میں میرا ہی حکم چلے گا " یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا " کسی کو بھی میرے ساتھ شریک نہیں کیا جائے گا۔ یہ بات اللہ کی طرف سے آئی اور حضورؐ نے ان پانچ ادوار کا تجزیہ کرکے اسے واضح کردیا ۔

دوسری احادیث میں حضورؐ نے صراحت کی ہے کہ جب یہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور پہلی مرتبہ آیا تھا (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد) تو وہ روئے ارضی کے ایک محدود علاقے پر تھا ۔ لیکن اب جب وہ آئے گا تو پورے کرہ ارضی پر غالب اور قائم ہو کر رہے گا ۔ چنانچہ یہ حدیث بھی موجود ہے اللہ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا اور لپیٹ دیا تو میں نے زمین کے تمام مشرق اور مغرب بھی دیکھ لئے ۔ اور میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو مجھے سمیٹ کر یا سکیڑ کر دکھا دئے گئے ۔ اسی طرح حضورؐ نے فرمایا ایک وقت آئے گا کہ اس روئے ارضی پر کوئی گھر نہیں بچے گا چاہے وہ مٹی گارے کا بنا ہوا یا اونٹ کے بالوں کے کمبلوں کا بنا ہوا خیمہ ہو جس میں کہ اللہ کا دین داخل نہ ہوجائے ۔ اس بارے میں صریح احادیث ہیں ۔ مولانا مودودی مرحوم نے بھی اپنی معرکۃ الآراء کتاب "تجدید و احیاء دین" میں اس حدیث کا زیادہ تفصیلی متن دیا ہے ۔ ہم اپنے پچھلے پرچے میں اس حدیث کا تفصیلی متن جو مولانا نے اپنی کتاب میں دیا ہے شائع کرچکے ہیں تاکہ اس میں جو الفاظ آئے ہیں ان سے بھی استفادہ ہوسکے ۔ اس میں کہا گیا کہ جب وہ نظام آئے گا تو اس سے زمین والے بھی خوش ہونگے اورآسمان والے بھی خوش ہوں گے ۔ آسمان اپنی برکتوں کی بارش برسائے گا اور زمین بھی اپنی برکتوں کے تمام خزانے نکال دے گی ۔ یہ دوسری بات تھی جو میں نے آپ سے عرض کی ۔ پہلی بات یہ کہ قیامت بہر حال آکر رہے گی دوسری بات یہ ہے کہ اس سے پہلے اسلام کے ایک غلبے کا دور آکر رہے گا ۔ دوسری بات تو ہمارے لئے بڑی میٹھی خوشگوار اور بہت ہی خوش آئند ہے ۔ لیکن تیسری بات بڑی کڑوی ہے۔ وہ یہ کہ اس غلبے سے پہلے مسلمانوں پر اللہ کی سزا اور عذاب کا ایک دور آنے والا ہے ۔ یہ سزا کا دور وہ ہے جس میں سے ہم اس وقت گزر رہے ہیں ۔ سزا کے ہم مستحق کیوں ہیں ؟ اس لئے کہ ہم نے اللہ کے دین سے بے وفائی کی ۔ آج دنیا میں سوا سو کروڑ کے قریب مسلمان ہیں ' پچاس کے قریب ملک مسلمانوں کی اکثریت کے ہیں ' تاہم کہیں بھی اللہ کا دین نافذ نہیں ۔ ہم نے وہی مغربی نظام ' وہی مغربی تہذیب ' انہیں کا رہن سہن ' بود و باش ' اور اقدار اختیار کر رکھی ہیں ۔ اصل میں ہمارے ہاں مغرب کا نظام چل رہا ہے ۔ دنیا میں کوئی اسلامی ملک نہیں ہے جہاں کا نظام سود سے پاک ہو ۔ اسی طرح مغربی بدعات اور خرافات پورے عالم اسلام میں بھی پائی جاتی ہیں ۔

مسلمان امت کو بدعملی کی سزا مل کر رہے گی

اب ظاہر ہے کہ اللہ کا قانون اور عدل تو بے لاگ ہے۔ اگر پچھلی امتوں پر ان کی بدعملی کی وجہ سے عذاب آیا تو یہ امت بھی اس کی مستحق ہوچکی ہے۔ البتہ اس امت میں جو لوگ شدید سزا کے مستحق ہوں گے وہ درحقیقت عرب مسلمان ہیں۔ اس لئے کہ بقیہ مسلمانوں پر ان کو جو فضیلت حاصل ہے اور اللہ نے جو فوقیت عطا فرمائی کہ ان کی زبان میں قرآن نازل فرمایا اور یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان میں سے تھے تو ان کو کہہ دیا گیا کہ اگر تم پیٹھ دکھاؤ گے تو ہم تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئیں گے " ان تتولو یستبدل قوما غیرکم "یہ کام تو ساڑھے سات سو برس قبل ہوچکا جب تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں خلافت بنو عباس کا چراغ گل ہوا۔ اس دن سے لے کر آج تک عرب امت مسلمہ کی قیادت پر فائز نہیں ہوسکے۔ گویا کہ وہ وہاں سے معزول کردئے گئے اور اس کے بعد ترکوں کا دور

آیا ۔ چنانچہ تیسری بات یہ ہے کہ عذاب کا دور ہم پر شروع ہوچکا ۔ اسی طرح افغانستان اور یوگو سلاویہ کے مسلمانوں پر جو قیامت بیت رہی ہے ، کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے ، عراق کا جو حشر ہوا ہے ، لیبیا جس مشکل کے اندر مبتلا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر جو شدید ابتلا کا دور ہے وہ در حقیقت سعودی عرب اور مشرق وسطیٰ کے دوسرے ممالک پر آنے والا ہے وہ اسی وعید کے مصداق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بچائے اور کم سے کم سزا پر اس امت کو توفیق دے دے کہ اس کو ہوش آجائے اور وہ صحیح طرز عمل اختیار کرے۔

چوتھی بات جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس تیسرے اور چوتھے دور کے درمیان ایک دور آئے گا یعنی مسلمانوں پر ابتلا کا زمانہ جو خاص طور پر عالم عرب میں شدت اختیار کرے گا ۔ اس کے بعد کسی غیر عرب مسلمان ملک میں نظام خلافت قائم ہوگا ۔ اس کے آثار بھی ہیں اور بعض احادیث میں اشارہ بھی ہے۔ آج کل کا افغانستان ، خراسان کا علاقہ کہلاتا تھا ۔ اس میں ہماری پختون پٹی بھی شامل ہے ۔ ایک حدیث میں پیشین گوئی ہے کہ جب دجال کا خروج ہوگا اور مسلمانوں پر ابتلا کا شدید دور ہوگا تو وہاں مسلمانوں کی مدد کے لئے لشکر اس علاقے سے جائیں گے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے میں وہ خلافت کا نظام قائم ہوگا ۔ یہ ایک اہم بات ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا ۔ اگرچہ کہ ہم ابھی تک بھٹکے ہوئے ہیں اور بحیثیت قوم اپنی منزل کو بھولے ہوئے ہیں ۔ ہماری قوم بھی اسی رخ پر جارہی ہے جس پر کہ بقیہ مسلمان جارہے ہیں ۔ ہوسکتا ہے کہ آخری غلبے سے پہلے ہمیں بھی کوئی سزا ملے جیسے کہ ایک کوڑا ہماری پیٹھ پر برس چکاہے ۔ اس میں ہمارا ملک دو لخت ہوا ، ایک بہت بڑا ہنگامہ ہوا اور مسلمانوں کو انتہائی بھیانک شکست ہوئی ، ہمارے ایک لاکھ کڑیل جوان ہندو کے قیدی بنے ۔ خدا نہ کرے ، خدانہ کرے ایسا ہو ۔ اس حادثے کے بعد ہمیں ہوش نہیں آیا تو ہم دوسرے کوڑے کے مستحق ہوچکے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اس میں جو کمی اور تخفیف فرمادے وہ اس کا کرم ، رحمت اور فضل ہے اس کے بعد کہ اللہ کی طرف سے کچھ تسہیات آجائیں ہمارے ذریعے سے غلبہ دین ہوجائے سورۃ السجدہ میں فرمایا فلنذیقنھم عذاب الا دنی دون العذاب الا کبر لعلھم یرجعون"

اللہ کی سنت رہی ہے کہ بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب بھیجتا ہے

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ کسی بڑے عذاب سے پہلے کہ جو پہلی قوموں پر آیا کرتے تھے جس سے پوری قوم نسیا منسیا (نیست و نابود) ہوجایا کرتی تھی ، اللہ چھوٹے چھوٹے عذاب بھیجتا تھا تاکہ لوگ ہوش میں آجائیں ، اور جن میں بھی جاگنے کی صلاحیت ہے جاگ جائیں ۔ ہوسکتا ہے کہ اس نوع کی کچھ تکالیف ہم پر بھی آئیں اور اللہ تعالیٰ جاگنے کی توفیق دے دے ۔ یہ باتیں میں نے اپنی کتاب استحکام پاکستان میں تفصیل سے لکھی ہیں ۔ اس کے لئے بہر حال ہم سب پر ہمارا دینی فرض اپنی جگہ ہے ۔ میں نے پچھلے سال بھی اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہمیں اپنا کام کرنا ہے ۔ کام تو ہمیں اپنی نجات کے لئے کرنا ہے اور اس سے کوئی بحث نہیں کہ وہ نظام آتا ہے یا نہیں اور قطع نظر اس کے کہ ہماری زندگیوں میں آتا ہے یا نہیں ۔ ہمارا فرض بحیثیت مسلمان کے یہ ہے کہ ہم اپنا وقت ، توانائیاں ، اپنا مال اللہ کے دین کے لئے صرف کریں ۔ اپنے پیٹ کو کاٹ کر ، اپنے معیار زندگی کو کم کر کے ، اپنی ضروریات کے دائرے کو اور سکیٹر کر دین کی خدمت میں لگائیں ۔ جب ہم اپنے معیار زندگی کم کریں گے تو کمانے والے ہاتھوں کے لئے ممکن ہوگا کہ وہ اپنا وقت فارغ کر سکیں ۔ اب ہم نے تنظیم اسلامی میں جو خلافت کی تحریک شروع کی ہے اس کے لئے ہمیں ایسے کارکنوں کی ضرورت ہے جو ہمہ وقت دین کے کام میں لگے ہوئے ہوں ۔ پھر اس بات کی ضرورت بھی ہے کہ وہ سب کے سب تنخواہ یافتہ نہ ہوں ۔ لہٰذا ہم نے ایک مہم شروع کی ہوئی ہے کہ جو ہمارے ساتھی سرکاری ملازم ہیں اور ان کی سروس کم سے کم اتنی ہوگئی ہے کہ وہ پینشن لے سکیں تو وہ آجائیں ۔ لیکن اس کے لئے ان کو اپنا معیار زندگی کم کرنا ہوگا بلکہ نصف کردینا ہوگا ۔ اس میں اگر خواتین اور اہل و عیال کی طرف سے تعاون نہ ہو تو گویا گھر کے اندر ایک محاذ کھل جائے گا اور جس دلجمعی کے ساتھ کسی شخص کو کام کرنا چاہیے وہ نہیں کرپائے گا ۔ اس کے لئے جو ذہنی تیاری ہے وہ کی جائے ۔

منہجِ انقلابِ نبویؐ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اسلامی انقلاب کی

جدوجہد کے رہنما خطوط

اسلامی انقلاب کے مراحل مدارج اور لوازم

پر مشتمل

ماہنامہ "میثاق" میں شائع شدہ

امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کے گیارہ خطبات کا مجموعہ

اشاعت عام — قیمت : ۳۰/- روپے

اشاعت خاص — قیمت : ۶۰/- روپے

ملنے کا پتہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

خواتین اپنا معیار زندگی کم کرکے مردوں کو دینی ذمہ داریوں کی ترغیب دیں

اگرچہ کہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ اقامت دین کی جدوجہد اور اس کے عملی تقاضوں کا تعلق براہ راست خواتین سے نہیں ہے۔ لیکن وہی بات ہے جو میں نے پچھلے سال کہی تھی کہ بالواسطہ ان کا حصہ ہے۔ وہ اپنے مردوں کو ادھر راغب کریں۔ اگر مرد راغب نہیں ہیں تو ان کو توجہ دلائیں۔ آخر ان کی دعوت و تبلیغ کا یہ حصہ تو کھلا ہوا ہے۔ اپنے مردوں' شوہروں' بھائیوں اور بیٹوں کو اس کی طرف راغب کریں کہ یہ ذمہ داریاں اور فرائض ہیں۔ اور کہیں کہ ہم تو اسے اپنے دائرے ہی میں پورا کریں گی لیکن تمہیں چاہئے کہ آگے بڑھو۔ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت خنساءؓ نے اپنے کتنے بیٹے ـــــ ایک ایک کرکے میدان جنگ میں بھیجے۔ وہ سب شہید ہوئے اور ہر ایک کی شہادت پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتی رہیں۔ یہ ہمارے لئے بہت بڑی بڑی مثالیں ہیں جو ہمارے اسلاف نے چھوڑی ہیں۔ یہ تو بہت بڑی بات ہے لیکن ہو سکتا ہے ایسا مرحلہ بھی ہمارے سامنے آجائے۔ افغانستان میں بہرحال آیا ہے اگرچہ کہ وہ آیا قبل از وقت ہے۔ وہ درحقیقت تحریک اسلامی کے تقاضے کے طور پر نہیں آیا۔ بلکہ باہر سے کوئی حملہ آور ہوگیا لہٰذا وہاں کے مسلمانوں کو ہتھیار اٹھانے پڑے یعنی جب روسی فوجیں آگئیں۔ ورنہ جو تحریک اسلامی ہے اور اسلام کی جدوجہد کے لئے جو تحریک اٹھے گی اس کے لئے ہتھیار اٹھانے کا مرحلہ بہت کڑی شرائط پوری کرنے کے بعد آتا ہے۔ وہ کڑی شرائط یہ ہیں کہ دعوت اتنے وسیع پیمانے پر معاشرے میں دی جا چکی ہو' اور اس کے اوپر اتنی اتمام حجت کی کیفیت پیدا کی جا چکی ہو کہ پولرائزیشن ہو جائے' معاشرے میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے کہ یہ حزب اللہ میں شامل ہیں اور یہ حزب شیطان میں شامل ہیں۔ لوگ گڈ مڈ نہ رہیں کہ غفلت کی وجہ سے ان پر دین واضح نہ ہو۔ انہیں بات پہنچائی ہی نہ گئی ہو اور وہ ابھی غلط فہمی میں ہوں اور ناواقفیت کی وجہ سے غلط رخ پر ہوں۔ جب تک آخری درجے تک دعوت و تبلیغ کا حق ادا نہ ہو جائے اور ایک ایسی جماعت قائم نہ ہوجائے جو ایک امیر کی قائل ہو تو اس وقت تک ہتھیار اٹھانا جائز نہیں۔ ایران میں جو کچھ ہوا وہ اس وجہ سے ہوا کہ وہاں ایک متحدہ محاذ بن گیا تھا۔ پھر یہی کچھ اب افغانستان میں ہو رہا ہے اور آپس میں لڑ رہے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ایک جماعت' ایک حزب اللہ اور ایک امیر نہیں تھا۔ روس بھی چلا گیا' پھر نجیب اللہ بھی ختم ہوگیا لیکن اب ان کی جنگ کا دوسرا مرحلہ آپس کی جنگ کا شروع ہونے والا ہے۔ یہ بہت خوفناک اور افسوس ناک ہوگا لیکن یہ ہوتا نظر آرہا ہے۔ جتنے بھی تجزیہ نگار ہیں وہ بتارہے ہیں کہ وہ ناگزیر(Inevitable) ہے اور آکررہے گا۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ ایک جماعت اور ایک امیر کی قیادت میں کام نہیں ہوا۔

ہمارے ہاں پاکستان میں جو دین کے لئے کام کرنے والے گروہ ہیں ان کے لئے ابھی قتال کا کوئی مرحلہ نہیں ہے' جہاد بالسیف کا موقع نہیں۔ ابھی تو ہم نے دعوت کا تقاضا بھی ادا نہیں کیا۔ ابھی اس کی شدت اور وسعت اتنی نہیں ہے کہ کوئی ٹکراؤ کا مرحلہ آئے۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگر اللہ کو منظور ہو تو ہماری زندگیوں میں بھی وہ مرحلہ آجائے گا جس کی کہ خواہش اور تمنا تو ہر مسلمان دل میں ہونی چاہئے کہ اس کے لئے جانوں کا نذرانہ پیش کیا جائے۔ چنانچہ حضورؐ کی ایک حدیث ہے کہ میری بڑی خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل ہوجاؤں' پھر مجھے زندہ کیا جائے' پھر ایک مرتبہ مجھے اللہ کی راہ میں شہید ہونے کی لذت حاصل ہو' پھر ایک مرتبہ زندہ کردیا جائے' پھر اللہ کی راہ میں قتل ہونے کی سعادت حاصل ہو۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش یہ ہے تو ہر مسلمان مرد اور عورت کی بھی یہ خواہش ہونی چاہئے۔ لیکن ابھی وہ مرحلہ تو یہاں نہیں ہے۔ ابھی ہمیں کارکن چاہئیں' اور ایسے لوگ چاہئیں جو اپنا پیٹ کاٹیں اپنے معیار زندگی کو کم کریں' اپنی ضروریات کا دائرہ تنگ کریں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت' زیادہ سے زیادہ وسائل اور زیادہ سے زیادہ پیسے اس دعوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے فارغ کرسکیں۔ یہ ہمارا فرض ہے۔

آج میں نے صرف یہ چاہا ہے میں عرض کردوں کہ ایک طرف ہمارا فرض اپنی جگہ پر ہے اور وہ کسی بھی مسلمان کا ہے چاہے وہ دنیا کے کسی کونے پر بھی ہو' یہاں تک کہ اگر کسی ملک میں ایک ہی مسلمان ہو تو اس کا بھی فرض یہی ہے اور وہ یہ کہ پہلے وہ خود اللہ کا بندہ بنے' دوسرے وہ اللہ کے دین کی دعوت و تبلیغ میں اپنا وقت لگائے اور تیسرے وہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کرے۔ جب تک اکیلا ہے دعوت دیتا رہے گا اور دو ہوجائیں گے تو جماعت ہو جائے گی جس میں سے ایک امیر ہوگا دوسرا مامور ہوگا۔ ہمارے ہاں جماعت کا نظام یہی ہے کہ اگر دو افراد بھی ہوں تو باجماعت نماز ادا کریں۔ ان میں سے ایک امام ہو جائے گا دوسرا مقتدی۔ بہرحال ہمارے لئے سب سے بڑی مثال تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ آپ نے جب کام شروع کیا تو اکیلے تھے' آپ کے پاس جماعت نہیں تھی' پہلے سے موجود امت نہیں تھی بلکہ پہلی امت مسلمہ تو بدترین دشمن ثابت ہوئی۔ یعنی آپ سے پہلے کی امت مسلمہ جو یہود اور نصاریٰ تھے وہ بجائے اس کے کہ معاون و مددگار ہوتے سب سے بڑھ کر دشمن بن گئے۔ یہود سے بڑھ کر تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی دشمن نہیں تھا۔ لہٰذا جس طرح ایک پرندہ ایک ایک تنکا جوڑ کر اپنا گھونسلا بناتا ہے اسی طرح آپ نے اپنی دعوت کے نتیجے میں ایک ایک آدمی کو جوڑ کر جماعت بنائی۔ دعوت سے ایک ایک آدمی کو فتح اور مسخر کیا۔

مسلمانان پاکستان کی اضافی ذمہ داری

اس اعتبار سے یہ مرحلہ تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس کو پورا کرے چاہے وہ انڈونیشیا میں ہو چاہے بھارت میں ہو اور چاہے کشمیر یا پاکستان میں ہو۔ لیکن مسلمانان پاکستان کی ایک اضافی ذمہ داری ہے۔ ہم نے تو پاکستان بنایا ہی اسلام کے نام پر تھا۔ بھارت کے مسلمانوں نے تو پاکستان بنا کر اپنا فرض پورا کردیا۔ اب ان کی طرف سے ہماری گردنوں پر فرض کفایہ ہے جس کے لئے ہم ذمہ دار ہیں۔ بھارتی مسلمانوں کو مسلمان ہونے کے ناطے جو قیمت دینی پڑ رہی ہے اور ہندوؤں کے جو مظالم برداشت کر رہے ہیں وہ ہماری وجہ سے ہے۔ اس لئے کہ ہندو کہتے ہیں کہ تم اپنے حصے کا ملک لے چکے' تم نے ملک کا بٹوارا کرایا اور اب تمہارا یہاں کوئی حق نہیں۔ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ

مسلمان کے دو استھان' پاکستان یا قبرستان' تمہاری کوئی جگہ بھارت میں نہیں ہے۔ تاہم جو اللہ نے مسلمانان بھارت کو توفیق دی ہے وہ اس میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کی طرف سے بھی اضافی بوجھ ہماری گردنوں پر ہے کہ ہم یہاں پر وہ نظام خلافت قائم کریں۔ ہم نے اس کے لئے جدوجہد شروع کی ہے۔

میں نے یہ ساری بات اس لئے کی ہے کہ تنظیم اسلامی میں شمولیت کے لئے بیعت کا مرحلہ آتا ہے۔ اس کے لئے تو انسان کافی سوچتا ہے اور سوچنا بھی چاہئے۔ یہ ایک دینی اصطلاح ہے ۔ حدیث اور قرآن میں بیعت کی اصطلاح مذکور ہے ۔ سورہ ممتحنہ میں بیعت کا لفظ موجود ہے۔ حضورؐ نے خواتین کی بیعت لی ہے۔ لیکن اس کی ذمہ داریوں کی وجہ سے سوچ سمجھ کر ہی اس وادی میں قدم رکھنا چاہئے۔ تاہم میں چاہتا ہوں کہ تحریک خلافت کے حلقے میں سب خواتین شامل ہوں۔ وہ معاونت اور مدد کریں۔ اپنے گھر کے خرچ میں سے جو بھی کمی کر سکتی ہوں کر کے تحریک میں مالی تعاون کریں ۔ ہم یہ بالکل نہیں چاہتے کہ انہیں میدان میں نکالیں یا در در انہیں لے جائیں اور اس طریقے سے انکی خانگی ذمہ داریوں میں کوئی خلل واقع ہو۔ لیکن اپنے گھروں میں رہتے ہوئے بھی وہ اس تحریک کے معاونین میں شریک ہو سکتی ہیں۔ یہاں پر تحریک خلافت کے فارم لے آئے گئے ہیں لیکن آج ہی ہمیں احساس ہوا کہ ان کے لئے علیحدہ فارم چھپوائے جائیں کیونکہ وہاں گارگی کا فرق ہوگا۔ اس میں آپ کروں گا کاٹ کر گی کردیجئے اور اپنے دستخط کرکے پتہ لکھ دیں تاکہ سب خواتین کی بھی ایک شمولیت ہوجائے کہ وہ بھی اس کام کے اندر شامل ہیں اور ان کی تائید و تعاون ہمیں حاصل ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں ایک اور بات پر توجہ دلانا چاہتا ہوں جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مفصل حدیث ہے اور حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں حضورؐ نے کہا کہ یہ جو ہمارا معاملہ ہے (ھذالامر) یعنی ہمارا دین اس کے تین حصے ہیں ایک اس کی جڑ ہے ایک تنا اور ایک چوٹی ہے۔ جیسے کہ ایک درخت کی جڑ تنا اور چوٹی ہوتی ہے جس پر بر بار نظر آتے ہیں۔ اکثر درختوں کا پھل جڑ اور تنوں میں ملکہ اوپر پتوں میں لگتا ہے ۔ ہمارے امر یعنی دینی کام کے لئے تین حصے ہوگئے' اس کے باوجود کہ یہ ایک ہی وحدت ہے ۔ وہ تین حصے ہیں انجمن خدام القرآن جو کہ بنیاد اور جڑ ہے یعنی قرآن کا پڑھنا پڑھانا' حدیث کا سیکھنا سکھانا یہ وہ کام ہے جو ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کا فرض ہے۔ علم حاصل کرنا تو ہر ایک لئے ضروری ہے ۔ اس اعتبار سے جو انجمن کا معاملہ ہے اور اس کے تحت جو بھی قرآن مجید کی تعلیم و تبلیغ ہے اور جو خط و کتابت کورسز ہیں وہ اس کام کی بنیادیں ہیں ۔

ہم شرمندہ ہیں کہ اگرچہ لاہور میں قرآن اکیڈمی کو کام کرتے ہوئے کئی سال ہوگئے ہیں لیکن ہم خواتین کی تربیت کا کوئی مناسب بندوبست نہیں کرسکے۔ کراچی والے اس میں ہم سے سبقت لے گئے ہیں۔ کراچی کی قرآن اکیڈمی میں اس سال سے باقاعدہ چار پانچ گھنٹے کا تدریسی نظام شروع ہو چکا ہے اور اس میں خواتین بھی شامل ہیں۔ یہاں ہم اس کا اہتمام نہیں کرپائے اس کی کوشش ہم کریں گے۔ تاہم خواتین کے جو حلقے موجود ہیں اور فعال ہو چکے ہیں ان کے تحت کام جاری ہے۔

بقیہ صفحہ ۲۶ پر

بالاکوٹ کی سنگلاخ چٹانوں کے بعد
ماچھی گوٹھ کے ریگزار میں برعظیم پاک وہند
کی تحریکِ اسلامی دوسرے عظیم سانحے سے کیسے دوچار ہوئی؟
تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب
سانحہ ماچھی گوٹھ کے عینی شاہد اور دعوتِ دین کی علمبردار نئی جماعت
تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد کے قلم سے
نظمِ جماعت کی اسلامی بنیاد سے متعلق اہم مباحث پر مشتمل اپنی نوعیت کی پہلی کتاب
سفید کاغذ ، ۳۲۸ صفحات ، اعلیٰ اور مضبوط جلد ، قیمت -/۸۰ روپے
ملنے کا پتہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶/کے۔ ماڈل ٹاؤن ، لاہور

معراج النبی
علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام
تالیف
ڈاکٹر اسرار احمد
عمدہ آفسٹ پیپر، اعلیٰ طباعت، قیمت ۱۳/ روپے
شائع کردہ
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن فون ۸۵۲۹۲۸۰

۴۰ صفحات پر مشتمل ایک مختصر کتابچہ جس میں مؤلف نے نہایت سادہ لیکن مؤثر انداز میں قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور عقل وفطرت سے استدلال کرتے ہوئے سیرت طیبہ کے اس عظیم واقعے کا اثبات اس طور سے کیا ہے کہ
واقعہ معراج
سے متعلق قریباً تمام الجھنیں رفع ہو جاتی ہیں ۔

سندھ میں وہی غلطی نہ دہرائی جائے

سندھ کے دانشوروں کی وزیر اعظم کو

پیش کی جانے والی یادداشت

گزارش ہے کہ سندھ کا مسئلہ نہایت پیچیدہ ہے۔ آج تک کسی نے صحیح حل پیش نہیں کیا۔ ہمیں خدشہ ہے کہ فوجی آپریشن کامیاب نہ ہو سکے گا کیونکہ اب تک ڈاکو فرار ہو چکے ہیں اور وقت آنے پر وہ پھر کاروائیاں کریں گے۔ پہلے بھی فوجی مہمیں ناکام ہوئی ہیں' مثلاً ۱۹۸۳ء میں ایم آر ڈی کی تحریک کے دوران سندھی عوام کا خون ناحق بہا اور پاکستان اور افواج پاکستان کے خلاف نفرت کی بنیادیں مضبوط ہوئیں جس کے نتیجے میں آج صورتحال سنگین ہو گئی ہے۔ سقوط ڈھاکہ ملت اسلامیہ کی تاریخ کا سب سے عظیم سانحہ ہے۔ مشرقی پاکستان کے بھائی ہم سے زیادہ محب وطن اور محب اسلام تھے۔ ۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخاب میں محترمہ فاطمہ جناح کو مشرقی پاکستان سے ۱۸ ہزار ووٹ اور مغربی پاکستان سے ۱۰ ہزار ووٹ ملے تھے' یہ ان کی پاکستان سے دوگنی محبت کا ثبوت تھا لیکن ان کی احساس محرومیاں اور جائز حقوق کا صحیح اندازہ نہ کرتے ہوئے فوجی کاروائی کی گئی جس کی تقریباً سب سیاسی جماعتوں نے حمایت کی تھی لیکن وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ فیصلہ ناعاقبت اندیشانہ تھا اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست دو ٹکڑے ہو گئی۔

ہم پوری دیانت' اسلامی اخلاص اور حب الوطنی کے گہرے جذبے کے تحت آپ پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ سندھی عوام کی بھاری اکثریت اسلام کی شیدائی اور پاکستان کی وفادار ہے۔ اس وقت فوجی ایکشن چاہے کتنی ہی نیک نیتی اور معصومیت سے کیا جائے لیکن ذرا سی غلطی پھر عظیم تباہی کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے۔ تقریباً سب سیاسی پارٹیاں فوجی ایکشن کی حمایت کر کے وہی مشرقی پاکستان والی غلطی دہرا رہی ہیں اور کسی کو یہ اندازہ نہیں کہ یہ فوجی کاروائی کس طور اسلام اور وطن عزیز کے استحکام و سالمیت کے خلاف ثابت ہو گی۔

فوجی کاروائی کے جواز میں کہا جا رہا ہے کہ صوبائی انتظامیہ ناکام ہو گئی ہے۔ بالاخر ۶۔ ماہ بعد فوج کو بیرکوں میں واپس جانا ہے' انتظام پھر صوبائی انتظامیہ کو حوالے کرنا ہو گا اس لیے اصل خرابی نوکر شاہی کا منفی کردار' سیاستدانوں کی مفاد پرستی اور لسانی تنظیموں کی دہشت گردی ہے۔ ساتھ ساتھ بھارت کی نظریاتی و تخریبی مداخلت نے صورتحال کو انتہائی پیچیدہ بنا دیا لہٰذا مسئلے کا حقیقی حل یہ ہے کہ سندھ کا انتظام خدا ترس مخلص اور منصف لوگوں کے حوالے کیا جائے اور قرآن و سنت کے احکام کے تحت مسائل حل کئے جائیں۔

ہمارے کوئی سیاسی عزائم نہیں ہیں اور نہ ہی کرسیوں کا لالچ ہے اس لیے ہم نہایت گہرے غور و خوض اور طویل تجربہ کی روشنی میں سندھ کے مسئلہ کا مندرجہ ذیل حل پیش کرتے ہیں:-

۱۔ قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں چھوٹے گاؤں سے لے کر شہروں تک اسلامی تعلیمی' تربیتی و اشاعتی مراکز قائم کئے جائیں۔

۲۔ سندھ کے بزرگان دین اور حضرت شاہ عبدالطیف بھٹائی کے افکار عالیہ کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی جائے۔

۳۔ واضح طور پر اعلان کیا جائے کہ کالا باغ ڈیم کی تعمیر نہ ہو گی۔

۴۔ سینیٹ کمیٹی برائے سندھ کی رپورٹ کی روشنی میں(60)ساٹھ لاکھ ایکڑ زمین ناجائز قبضہ داروں سے لے کر مستحق غریب کسانوں میں مفت تقسیم کی جائے۔

۵۔ اسلامی لحاظ سے بہاریوں کی سندھ میں آمد ناجائز ہے لہٰذا اس کا اسلامی حل تلاش کیا جائے۔

۶۔ وفاقی و صوبائی ملازمتوں میں سندھیوں کو جائز حق دیا جائے۔

۷۔ مسلمانوں کی سندھی و مہاجر قوم پرستی کے نقصانات کے ازالے کی غرض سے اسلامی وحدت و اخوت کے فروغ کے لیے تعلیمی و تربیتی تحریک شروع کی جائے۔

۸۔ کراچی اور حیدر آباد میں قدیم سندھی آبادیوں خصوصاً شانتی نگر کو ختم اور مسمار کرنے کی پالیسیاں ختم کی جائیں اور ایک دہشت گرد لسانی تنظیم کی وفاقی و صوبائی سطح پر طرفداری اور سرپرستی ختم کی جائے۔

۹۔ سندھ کا تعلیمی نظام مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے' اسلامی خطوط پر اس کی از سر نو بحالی کا انتظام کیا جائے۔

۱۰۔ ڈاکہ زنی اور دہشتگردی کی بڑی وجہ افلاس' غربت اور افسر شاہی کا ظلم و ستم ہے' اس کے سدباب کے لئے مبنی بر حکمت لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔

۱۱۔ سندھ میں موجودہ ملحدانہ تحریک' لسانی تفریق' دہشت گردی اور بھارت کی نظریاتی و تخریبی مداخلت کے سدباب کے لئے موثر انتظامی و نظریاتی تدابیر اختیار کی جائیں۔

امید ہے کہ ملت اسلامیہ اور وطن عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان کے عظیم تر مفاد میں آپ ہماری مخلصانہ گزارشات پر توجہ دینا پسند فرمائیں گے۔

ہم ہیں وطن عزیز کے خدام:

☆ "پروفیسر اسد اللہ بھٹو سکھر' پروفیسر محمد ابراہیم میمن سکھر' پروفیسر اصغر مجاہد میرپور ماتھیلو' پروفیسر شمشیر محمد صدیقی سکھر' پروفیسر عبدالرحمان جتوئی شکار پور' پروفیسر غلام سرور پٹھان سکھر' پروفیسر عنایت اللہ رتیجو بلوچ حیدر آباد' پروفیسر سید گل محمد شاہ بخاری شہداد کوٹ لاڑکانہ' استاد لیاقت علی بھٹو جیکب آباد' جناب استاد خادم رفیقی پیر جوگوٹھ' استاد غلام حیدر کھوکھر خیر پور میرس' استاد فضل اللہ محیسر نوعاقل' استاد حضور بخش شیخ گھوٹکی' استاد میمن غلام مصطفیٰ مشتاق لاڑکانہ"

عمل کا یہ رد عمل تو ہونا ہی تھا' اب اسے تعمیر کی طرف لگائیے

ایم کیو ایم کا پس منظر

مہاجر قومی موومنٹ کے بارے میں ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک چار سال پرانی تحریر

ایم کیو ایم کے جریدے پندرہ روزہ "پاکیشیا" نے اپنی اشاعت ۱۵ر اپریل ۱۹۹۲ء کے ایک چوکھٹے میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کو بھی بلاجواز ٹانگ دیا (یہ شوشہ ایک الگ چوکھٹے ہی کی شکل میں عنوان سمیت ان صفحات میں موجود ہے) ہمارے رفیق سید نسیم الدین کو ایسا موقع خدا دے' انہوں نے فوراً پاکیشیا کے مدیر کو خط لکھا (وہ بھی شائع کیا جارہا ہے) تو جواب میں جریدے کو اپنی تازہ ترین اشاعت (۱۵ر جون ۱۹۹۲ء) میں ان کی بھیجی ہوئی ایک پرانی تحریر شائع کرنی پڑی جو ڈاکٹر صاحب موصوف نے جناب مجیب الرحمن شامی' مدیر "قومی ڈائجسٹ" کے استفسار کے جواب میں سپرد قلم کی تھی اور یوں وہ متوازن سوچ ایم کیو ایم کے حامیوں کے سامنے خود ان کے اپنے پرچے کے ذریعے آگئی ہے جس میں نہ کسی سے لاگ ہے نہ لگاؤ---- مدیر

محترم ایچ اقبال صاحب
مدیر پندرہ روزہ "پاکیشیا"
۱۴ر ۴۶۰ - فیڈرل بی ایریا' کراچی -

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ
مزاج گرامی!

آپ کے موقر جریدے کے ۱۵ر اپریل ۹۲ء کے شمارے میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کا ذکر خیر ہوا ہے' چاہے جس انداز میں ہوا ہو کم از کم اتنا تو ہے کہ بقول شاعر

لاگ ہو اس کو تو ہم سمجھیں لگاؤ
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکہ کھائیں کیا

والا معاملہ نہیں ہے - بہرحال آپ نے ہمیں ایک موقع فراہم کیا ہے کہ ہم مہاجر قومی موومنٹ کے بارے میں تنظیم اسلامی کا نقطۂ نظر پیش کرسکیں- "مہاجر قومی تحریک کا پس منظر" کے عنوان سے مدیر "قومی ڈائجسٹ" جناب مجیب الرحمن شامی صاحب کے نام ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے خط کی فوٹو کاپی ارسال خدمت ہے کہ اگر یہ مضمون آپ کی نظروں سے اب تک نہ گزرا ہو تو اس کا مطالعہ فرما کر خود ہی یہ فیصلہ کرلیں کہ ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے بارے میں ریمارکس شائع کر کے آپ نے ان کے ساتھ کتنا انصاف کیا ہے۔

محترم! ہم انتخابی سیاست کے میدان کے کھلاڑی نہیں - ہم تو اقتدار کی کشمکش سے دور رہ کر ملک میں رائج منکرات کے خلاف عملی اقدامات کے ضمن میں ایک پریشر گروپ قائم کرنے کے لئے کوشاں ہیں تاکہ اسلامی انقلاب کی راہ ہموار ہوسکے - اس مقصد کے حصول کے لئے ہم نے دعوت رجوع الی القرآن کو ذریعہ بنا رکھا ہے کہ یہی ہمارے نبی پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے - ہم سمجھتے ہیں کہ ملک میں رائج سیاست کے ذریعہ یہ کام نہیں ہوسکتا جبھی ہم نے اب تک نہ کسی سیاسی یا دینی جماعت سے اتحاد کیا ہے' نہ ہی پچھلے ۲۵ برسوں میں کسی الیکشن میں حصہ لیا اور نہ آئندہ لینے کا ارادہ ہے - ان شاء اللہ تعالیٰ -

کل تک جو نوجوان دینی سیاسی جماعتوں کے ساتھ تھے' آج وہ مہاجر قومی موومنٹ میں شامل ہیں - مہاجر قومی موومنٹ انہی نوجوانوں سے دین کی

فی سبیل اللہ فساد

مولانا نورانی نے کہا ہے "موجودہ دور میں شعائراسلامی کا مذاق اڑایا جارہا ہے- قوم تقسیم ہوتی جارہی ہے-" نورانی میاں نے دونوں باتیں بالکل درست اور بجا فرمائی ہیں - صرف وقت کے تعین میں ان سے بھول چوک ہوگئی - بھول چوک ان کی پرانی عادت ہے - سو انہیں یاد دلا دیں -

قوم کو تقسیم کرنے کا عمل تو انہی کی قبیل کے لوگوں نے صدیوں پہلے شروع کیا تھا جو آج تک جاری ہے - نئے نئے فرقے انہی کی قبیل کے لوگوں نے بنائے ہیں - اب بھی بنا رہے ہیں - مودودی جی کے بعد اب ڈاکٹر اسرار احمد اور پروفیسر طاہر القادری بھی یہی کام کررہے ہیں - گویا قوم کو تقسیم کرنے کا عمل ہر دور میں کیا جاتا رہا ہے - اور اسی طرح شعائر اسلامی کا مذاق اڑانے کا شغل بھی جاری ہے - نتیجہ یہ ہے کہ آج اللہ کے گھروں یعنی مساجد پر قبضے کے قضیئے بھی جاری ہیں - اسلام کے نام پر اسلام کے دعویدار آپس میں سرپھٹول بھی کرتے ہیں - اسی صورت حال کو علامہ اقبال نے اس مصرعے میں بیان کیا ہے کہ ع کارملانی سبیل اللہ فساد

سربلندی کا کام لے کر اس مملکت خداداد میں اسلامی انقلاب برپا کرسکتی ہے ۔ یہ کوئی ضروری تو نہیں کہ اللہ کے دین کی سربلندی صرف دینی سیاسی جماعتوں کا ہی کام ہو کر رہ جائے ۔ یہ کام آپ بھی کرسکتے ہیں ۔ میرا مطلب مہاجر قومی موومنٹ سے ہے ۔ آپ کے مطالعہ کے لئے ہم اپنا ایک ہینڈ بل روانہ کررہے ہیں ۔ ہمیں خوشی ہوگی کہ جو کام تنظیم اسلامی کرنا چاہتی ہے وہ مہاجر قومی موومنٹ کے ذریعے پورا ہوجائے ۔ ہمارا مقصد تو دین کی سربلندی ہے نہ کہ تنظیم اسلامی کی ۔ ۔

ہمیں توقع ہے کہ آپ اپنے موقر جریدے میں "مہاجر قومی تحریک کا پس منظر" نامی مضمون کو شائع کر کے ممنون احسان فرمائیں گے تاکہ مہاجر قومی موومنٹ کے قائدین اور کارکنان پر ہمارا نقطہ نظر واضح ہوجائے کہ آپ کا جریدہ ان حلقوں میں دلچسپی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے ۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نوجوانوں کی اس ٹیم کے مثبت کاموں کو اجر عظیم سے نوازے اور ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے ۔ آمین ۔

والسلام ۔ خیراندیش
سید محمد نسیم الدین
ناظم حلقہ سندھ

○

۱۹۸۷ء کے اواخر میں بلدیاتی انتخابات کے نتیجے میں جب حیدرآباد اور کراچی ایم کیو ایم کے حمایت یافتہ امیدوار کونسلروں کی حیثیت سے بھاری تعداد میں منتخب ہوئے اور ان دونوں شہروں کی بلدیاتی قیادت ایم کیو ایم کے پاس آئی تو قومی ڈائجسٹ لاہور نے کراچی کی صورت حال' بلدیاتی انتخابات میں ایم کیو ایم کی کامیابی اور قومی سیاست میں ان کے کردار کے بارے میں سات سوالات پر مشتمل ایک سوالنامہ ملک کے متعدد اصحاب علم و دانش کو ارسال کیا تھا ۔ تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اس سوالنامے کے جواب میں جو تحریر ارسال کی تھی وہ قومی ڈائجسٹ کے شمارہ فروری ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی تھی ڈاکٹر صاحب کی یہ تحریر' جو کراچی کی اس وقت کی صورت حال خصوصاً" ایم کیو ایم کے بارے میں ان کے خیالات کی آئینہ دار اور آج کے حالات سے بھی مطابقت رکھتی ہے' نذر قارئین ہے

(پندرہ روزہ پاکیشیا کا انٹرو)

○

محترم جناب مجیب الرحمٰن شامی صاحب وعلیکم السلام و رحمتہ اللہ و برکاتہ!

آپ کے سوالات کے جواب علیحدہ علیحدہ اور ہاں یا نہ کی صورت میں دینا مشکل بھی ہے اور اس صورت میں غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کا امکان بھی ہے' لہٰذا اپنے "سوالنامے" کا حسب ذیل مجموعی جواب قبول فرمائیں۔

کراچی اور حیدرآباد کی سیاسی فضا پر مہاجر قومی تحریک کے زیر عنوان جو تحریک بالکل غیر متوقع اور ناگہانی طور پر شروع ہو کر دیکھتے ہی دیکھتے طوفانی انداز میں چھا گئی ہے' وہ اپنی اصل نوعیت کے اعتبار سے منفی رد عمل کے ایک پیچ در پیچ سلسلے کی تازہ اور (غالبا آخری) کڑی ہے جسے انگریزی میں (Vicious Circle) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کا ہر چکر اگلے چکر کے لئے وجہ جواز فراہم کرتا ہے ۔

منفی رد عمل کے اس پیچ در پیچ سلسلے کا اولین اور اہم ترین سبب یہ ہے کہ پاکستان کی تحریک جس عوامی نعرے پر چلائی گئی تھی یعنی "پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ !" قیام پاکستان کے بعد اسے واقعیت کا جامہ پہنانے کی جانب کوئی محسوس اور قابل لحاظ پیش رفت نہیں ہوئی ۔ اس سے فکری اور جذباتی سطح پر جو خلا پیدا ہوا' اسے لا محالہ مادی ولولوں اور امنگوں ہی سے پر ہونا تھا' لہٰذا اس کے نتیجے میں افراد کا زاویہ نگاہ اور مطمع نظر ملی اور ملکی سطح سے گر کر تدریجاً" ذاتی مفادات و مصالح اور مقامی مسائل و معاملات کی سطح پر مرکوز ہوتا چلا گیا اور معاملہ فی الواقع وہی ہوا کہ یا تو وہ عالم تھا کہ ع "گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دل وجود" کے مصداق پورے برعظیم کے مسلمان جغرافیائی و علاقائی اور نسلی و لسانی امتیازات سے بالاتر ہو کر' اور ایک خالص مذہبی قومیت کے مضبوط بندھن میں بندھ کر بنیان مرصوص بن گئے تھے' جس کے نتیجے میں قیام پاکستان کا "معجزہ" صادر ہوا' یا حالت رفتہ رفتہ یہ ہوگئی کہ ع گاہ الجھ کے رہ گئی میرے "تو ہمات" میں !" کے مصداق اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں مسلمان صوبائی و علاقائی اور نسلی و ثقافتی قومیتوں میں منقسم ہو کر رہ گئے' جن کے مابین تنافس و تکاثر اور اس کے ضمن میں کھینچ تان اور چھینا جھپٹی ایک طبعی اور فطری امر ہے! مشرقی پاکستان کی علیحدگی تک مغربی پاکستان میں یہ رجحانات کچھ دبے دبے رہے' لیکن سقوط ڈھاکا کے فوراً بعد یہ سطح پر آگئے اور رفتہ رفتہ ان کی شدت بڑھتی چلی گئی۔ چنانچہ ایک جانب "فرزندان زمین" کی اصطلاح کا استعمال عام ہوا' اور دوسری جانب یہ بات کثرت سے کہی اور سنی جانے لگی کہ پاکستان میں چار قومیتیں آباد ہیں : پنجابی' سندھی' پختون' اور بلوچ

اس پس منظر میں یہ واقعہ بالکل فطری اور منطقی نظر آتا ہے کہ مشرقی پنجاب کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے ہجرت کر کے پاکستان والے لوگوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ جیسے ان کے پاؤں تلے تو زمین ہی موجود نہیں! عدم تحفظ کے اس احساس نے انہیں ابتدا میں تو بالکل سراسیمہ کر کے رکھ دیا تھا' لیکن جیسے جیسے وقت گزرا' ان کے سامنے ایک راہ عمل واضح ہوتی چلی گئی اور وہ یہ کہ اگر انہیں "فرزندان زمین" تسلیم نہ کیا جائے' تو وہ ایک "پانچویں قومیت" کی صورت تو اختیار کر ہی سکتے ہیں' چنانچہ یہی لاوا پک کر ایم کیو ایم کے آتش فشاں کی صورت اختیار کرگیا۔

بہرصورت' اب معاملہ' "یا چناں کن یا چنیں" والا بن چکا ہے کہ یا تو پنجابی' سندھی' پختون اور بلوچ قومیتوں کی بھی نفی کی جائے یا پھر کھلے دل کے ساتھ تسلیم کیا جائے کہ "پانچویں قومیت" بھی حرام یا ناجائز نہیں ہے!

منفی رد عمل کے اس پیچ در پیچ سلسلے کا دوسرا سبب جس نے اس میں تلخی کا اصل زہر گھولا یہ ہے کہ بعض جغرافیائی عوامل پر مستزاد ایک خاص تاریخی پس منظر کے باعث قیام پاکستان کے وقت اس میں شامل ہونے والے علاقوں میں سے بعض زیادہ خوشحال اور ترقی یافتہ تھے اور بعض پسماندہ چنانچہ بچے کھچے پاکستان کا صوبہ پنجاب بحیثیت مجموعی اور شمال مغربی سرحدی صوبے کے وسطی اضلاع مختلف اعتبارات سے زیادہ خوش حال بھی تھے اور پاکستان کی سول اور ملٹری بیوروکریسی میں بھی ان کا پلڑا فیصلہ کن طور پر بھاری تھا ۔ اگر ملک میں جمہوریت کو چلنے کا موقع دیا جاتا تو نہ صرف یہ کہ عوام کا اعتماد برقرار رہتا اور مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو اطمینان حاصل ہوتا کہ ہمارے حقوق اور مفادات کی حفاظت و نگہداشت کے لئے ہمارے نمائندے مرکزی اداروں میں موجود ہیں' بلکہ وسیع تر سوچ کی حامل قومی جماعتیں پروان چڑھتیں اور مناسب منصوبہ بندی کے ذریعے علاقائی عدم توازن کو تدریجاً" ختم کردیتیں لیکن افسوس کہ ہوا اس کے

بالکل برعکس یعنی مارشل لاء کے پے بہ پے تسلط نے ملک کے شمالی اور جنوبی صوبوں کے درمیان رفتہ رفتہ حاکم و محکوم اور متکبرین اور مستضعفین کی سی نسبت قائم کردی جس کا رد عمل نہایت خوفناک ہوا اور مشرقی پاکستان کی مانند سندھ اور بلوچستان کی نوجوان نسل میں بھی یہ سوچ عام ہوگئی کہ

وفا کیسی ' کہاں کا عشق ' جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

ان میں سے بلوچستان میں تو چونکہ قبائلی اور سرداری نظام رائج تھا اور مڈل کلاس سرے سے موجود ہی نہیں تھی لہٰذا وہاں کوئی عوامی تحریک شروع نہ ہوسکی بلکہ اس احساس محرومی نے گاہ بہ گاہ بغاوت کی صورت اختیار کی جسے قوت کے ساتھ کچلا جاتا رہا ' البتہ سندھ کا معاملہ مختلف تھا ' چنانچہ وہاں اولاً قدیم سندھیوں کی نوجوان نسل میں بالکل بنگلہ دیش کی مانند سندھی زبان اور ثقافت کی محکم بنیادوں پر قومیت کی طاقتور تحریک کا آغاز ہوا جس کا رخ شروع میں تو پنجابیوں اور مہاجروں دونوں کے خلاف تھا ' لیکن ۱۹۷۲ء کے بعد اس کی قیادت نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مخالفانہ جذبات کا رخ خالصتاً پنجابیوں کی طرف موڑ دیا ' لیکن چونکہ پیپلزپارٹی کے عہد حکومت میں ملک کی زمام کار ایک سندھی کے ہاتھ میں تھی لہٰذا سندھ کی نوجوان نسل کی کچھ نہ کچھ اشک شوئی ہوتی رہی۔ اس کے بعد مارشل لاء کے دور میں بھی ضیاء الحق کے سندھی "رفقائے کار" سندھی نیشنلزم کا ہوا دکھا کر مراعات حاصل کرتے رہے ' لہٰذا سندھ کے اندرونی علاقے میں جوالا مکھی تو کئی بار پھٹا لیکن سندھی نیشنلزم کا آتش فشاں تا حال نہیں پھٹنے پایا ' تاہم اندر ہی اندر اس کی سندھ کے اردو بولنے والے ' "مہاجرین" میں بھی رد عمل کی اساس پر قومیت کی تحریک کا آغاز بہت بعد میں ہوا ۔ ان کی جس نسل نے بالفعل ہجرت کی تھی وہ تو "اسلام" اور "پاکستان" دونوں کی دل و جان سے شیدا تھی ' اس لئے کہ اس نے اسلام کے نام پر پاکستان کے قیام کی تحریک میں موثر کردار ادا کیا تھا لہٰذا اس نے جملہ صدمات کو صبر سے جھیل لیا ۔ پھر جب ان کی پہلی "پاکستانی نسل" جوان ہوئی اور اس نے اپنے لئے روزگار اور ترقی کے دروازے بند پاکر بے چینی محسوس کی تو حسن اتفاق سے اس وقت بین الاقوامی منڈی میں انسانی قوت و صلاحیت کی شدید مانگ پیدا ہوگئی تھی ' چنانچہ یہ نسل تقریباً پوری کی پوری ایکسپورٹ ہوگئی اور اندرون ملک کوئی نمایاں رد عمل ظاہر نہیں ہوا ' البتہ جب مہاجرین کی دوسری نسل میدان میں آئی تو باہر کا بازار بھی ٹھنڈا پڑ چکا تھا ' لہٰذا متذکرہ بالا عوامل کے فطری نتیجے کے طور پر یہ نسل مرنے اور مارنے پر تل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایم کیو ایم کے زیر قیادت "مہاجر قومیت" کا آتش فشاں پھٹ پڑا جس سے مختلف النوع تخریبی عناصر نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

اب اگر ان دونوں اسباب کو جڑ بنیاد سے ختم نہیں کیا جاتا اور حالات کے دھارے کا رخ انقلابی انداز میں نہیں بدلا جاتا ' بلکہ صرف وعظ و نصیحت پر اکتفا کی جاتی ہے یا صرف جزوی اور وقتی اور نیم دلانہ تدابیر اختیار کی جاتی ہیں تو اس صورت حال کا لازمی اور منطقی نتیجہ پاکستان کی تقسیم (Balkanization) ہے اور اس صورت میں ایم کیو ایم کے سامنے آجانے کے بعد یہ امر بھی یقینی ہوگیا ہے کہ یہ تقسیم چار ٹکڑوں میں نہیں بلکہ پانچ میں ہوگی اور اتنا خون بہے گا کہ سقوط بغداد ' سقوط غرناطہ اور سقوط ڈھاکا کی داستانیں ماند پڑجائیں گی (اعاذنا اللہ من ذلک) اور ظاہر ہے کہ آگ اور خون کی یہ ہولی سب سے زیادہ سندھ ہی میں کھیلی جائے گی ' چنانچہ یہی وہ حقیقت ہے جس نے انتہا پسند سندھی قوم پرستوں کو بھی اپنے نقشہ کار پر نظرثانی کرنے پر مجبور کردیا ہے۔ اسلئے کہ جس طرح ہندوستان کی تقسیم کے منطقی نتیجے کے طور مسلم لیگ کو پنجاب اور بنگال کی تقسیم قبول کرنا پڑی تھی اسی طرح سندھ کی پاکستان سے علیحدگی کی صورت میں اس کی تقسیم حتمی اور یقینی ہے ' اور یہ منطق کی وہ کاٹ ہے جسے کوئی خواہش یا تمنا نہیں روک سکتی! بنا بریں ' اگر کسی کے نزدیک ایم کیو ایم کا ظہور اور استیلاء "شر" کا مظہر ہے تب بھی اسے یہ ماننا چاہئے کہ اس کے بطن سے کم از کم یہ خیر ضرور برآمد ہوا ہے کہ اب انتہا پسند سندھی قوم پرست بھی اپنے حقوق کی جدوجہد کو اس طور سے آگے بڑھانے کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ پاکستان کی وحدت اور سالمیت برقرار رہے ' اس لئے کہ وہ سندھ کی تقسیم کو کسی قیمت پر بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے اور سندھ کی سالمیت کی ضمانت صرف پاکستان ہی کے ذریعے مل سکتی ہے۔

اور اگر حالات کو سدھارنے کی نیم دلانہ نہیں بلکہ صمیم قلب کے ساتھ کوشش کرنی ہے تو جیسے لوہے کا پیچ لکڑی میں سیدھا نہیں ٹھوکا جاتا بلکہ اسے گھما گھما کر "کسا" جاتا ہے اور اسی طرح اسے یکبارگی سیدھا نکالا بھی نہیں جاسکتا بلکہ الٹے رخ پر گھما کر ہی "کھولا" جاتا ہے اسی طرح اس سمی چکر (Viscious circle) کو بھی ایک دم ختم کرنا ممکن نہیں ہے بلکہ اس کی اصطلاح بھی تدریجاً ہی ہو سکتی ہے جس کے ضمن مین تین اقدامات بھر پورا انداز میں کرنے لازمی ہیں۔

☆☆ ایک یہ کہ قومیتوں کے ذکر پر جس "حساسیت" کا مظاہرہ کرنے کے ہم عادی ہوگئے ہیں اسے ترک کیا جائے اور "تصوریت مطلقہ" (Absolute idealism) کی بلندیوں سے ذرا نیچے اتر کر زمینی حقائق کو تسلیم کرنے والی "واقعیت پسندی" (Realism) کی بھی کسی قدر عادت ڈالی جائی اور مختلف نسلی ' لسانی اور ثقافتی قومیتوں کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے تشخص کے تحفظ کی ضمانت دی جائے ' اس ضمن میں حالات کی سنگینی کے پیش نظر یہ لازم ہے کہ قومی زبان کے ضمن میں یہ فیصلہ کرلیا جائے کہ پاکستان کی سرکاری زبان عربی ہوگی اور پانچویں جماعت سے اس کی لازمی تعلیم کا فوری طور پر آغاز کرکے پندرہ بیس سال کے اندر اندر اس کی ترویج کا منصوبہ بنا لیا جائے۔ اس کے علاوہ صوبائی سطح پر علاقائی زبانوں کی ترویج کے بھارتی فارمولے کو اختیار کیا جاسکتا ہے ' خواہ اس کے لئے صوبوں کی لسانی اور ثقافتی بنیادوں پر تشکیل نو کی جائے خواہ بعض صوبوں کو صوبائی سطح پر بھی دو لسانی صوبہ قرار دیا جائے۔

☆☆ دوسرے یہ کہ جمہوریت کو بلا روک ٹوک کام کرنے بلکہ پھلنے پھولنے کا پورا موقع دیا جائے۔ ایک جانب قومی سطح پر مارشل لاء سے جمہوریت کی جانب مراجعت کا جو عمل فی الوقت سست رفتاری سے جاری ہے اسے تیز کیا جائے ' اس لئے کہ اس میں جس قدر تاخیر ہو رہی ہے اتنی ہی ملک کی جڑیں کھد رہی ہیں ' اور دوسری جانب کراچی کے مخصوص حالات اور گوناگوں مسائل کے پیش نظر ایم کیو ایم کی جو قیادت بلدیاتی سطح پر بر سراقتدار آئی ہے اسے نہ صرف یہ کہ کام کرنے کا بھرپور موقع دیا جائے بلکہ صوبائی اور مرکزی حکومتیں اور جملہ قومی جماعتیں اس کے ساتھ پورا

تعاون کریں اور پانی' بجلی اور ٹریفک ایسے گھمبیر مسائل کے حل کے لئے جو اضافی اختیارات انہیں درکار ہوں انہیں مہیا کئے جائیں۔

☆☆ تیسری اور اہم ترین بات یہ کہ قوم کو اسلام کے اس عالمی غلبے کی جدوجہد کے لئے آمادہ کیا جائے جس کی پیش گوئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور اس کے لئے اس کے سامنے فوری طور پر پاکستان میں اسلامی انقلاب کا نصب العین رکھا جائے اور اس طرح گویا اپنے قومی نصب العین سے چالیس سالہ غفلت اور لاپروائی کا بھرپور کفارہ ادا کیا جائے تاکہ ع "بھٹکے ہوئے راہی کو پھر سوئے حرم لے چل!" والی کیفیت پیدا ہوسکے۔ اس لئے کہ صرف اسی کے ذریعے اتحاد ملی کو بھی فروغ حاصل ہوسکتا ہے اور چھوٹے موٹے اختلافات کے ضمن میں حد اعتدال سے متجاوز حساسیت میں بھی کمی آسکتی ہے۔

اگر ایسا ہوجائے تو انشاء اللہ العزیز وہ صورت پیدا ہوجائے گی جو علامہ اقبال کے ان اشعار میں بیان ہوئی ہے کہ

آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
بزم گل کی ہم نفس' باد صبا ہوجائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو ہولناک تباہی اور بربادی ہمارا مقدر بن کر رہے گی۔ اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت ہم پاکستانی مسلمان ایک عظیم دوراہے پر کھڑے ہیں جہاں سے ایک راستہ پاکستان میں اسلامی انقلاب کی راہ سے اسلام کے عالمی غلبے کی طرف جاتا ہے اور دوسرا سرزمین سندھ کی راہ سے پورے برعظیم پاک وہند سے اسلام اور مسلمانوں کی ملک بدری کی طرف! اللہ تعالیٰ ہمیں پہلی راہ پر قدم بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فقط والسلام
خاکسار ڈاکٹر اسرار احمد عفی عنہ

"خبر کشائی"

میم سین

○۔ دینی جماعتوں کا اتحاد وقت کی ضرورت ہے۔ (مولانا شاہ احمد نورانی)

☆۔ ہم تو کہتے ہیں کہ یہ ایک مستقل ضروت ہے۔

○۔ ریڈیو اور ٹی وی پر خرافات اور بے حیائی ختم ہونا چاہئے۔ (مولانا عبدالستار خان نیازی)

☆۔ لیکن مولانا بلی کے گلے میں گھنٹی باندھے گا کون؟ حکومت یا اپوزیشن؟

○۔ بلدیہ کے ملازمین نے کاغذات کے بغیر گاڑیاں چلانے سے انکار کردیا۔ (ایک خبر)

☆۔ غیر قانونی حرکت کا مرتکب بلدیہ ہوئی یا اس کے ملازمین!

○۔ نواز شریف الگ کردیں تو ہم مولانا عبدالستار خان نیازی کو اپنے پہلو میں جگہ دیں گے (مولانا نورانی)

☆۔ گویا آپ وہ نہیں جو کوچہ رقیب میں بھی سر کے بل جاتے ہیں۔

○۔ کراچی زلزلوں کی زد میں ہے۔ بچاؤ کیلئے منصوبہ بندی کی جائے۔ (غلام نبی)

☆۔ بہتر ہوتا اگر زلزلوں کی نوعیت کی نشان دہی بھی کردی جاتی۔ قومیتی زلزلے' فرقہ واری زلزلے یا؟

○۔ بدعنوان افسروں کی پشت پناہی سیاسی جماعتیں کرتی ہیں۔ (نواز شریف)

☆۔ پھر یہ بدعنوان افسر انکی حکومتوں کا ڈبہ گول کردیتے ہیں لیکن یہ تو بتائیے کہ سیاسی جماعتوں کی پشت پناہی کون کرتا ہے؟

○۔ آپریشن کی کامیابی کیلئے اسمبلی توڑنا ضروری ہے۔ (مولانا فضل الرحمن)

☆۔ تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری!

ڈاکٹر اسرار احمد
کی تالیف
استحکام پاکستان
قیمت: مجلد -/۴۰ روپے۔ غیر مجلد -/۲۵ روپے
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن
فون: ۸۵۶۰۰۳

سیاسی محرومیوں' انتظامی بے تدبیریوں' حکمرانوں کے آمرانہ طرز عمل' اپنوں کی مہربانیوں اور غیروں کی سازشوں کا بے لاگ تجزیہ
امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا سلسلہ مضامین
استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ
کتابی صورت میں دستیاب ہے
ہر دردمند پاکستانی کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے
قیمت ۱۵ روپے
ملنے کا پتہ: انجمن خدام القرآن ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

افغانستان... ایک لمحہ فکریہ

ترجمہ: سردار اعوان

(جناب ایاز ہلال کا یہ تجزیہ ماہنامہ "خلافت" یو۔ایس ایڈیشن کے مئی ۱۹۹۲ء کے شمارہ سے لیا گیا)

کہا جاتا ہے کہ چار اعلیٰ جرنیلوں نے جمعیت اسلامی کے کمانڈر احمد شاہ مسعود کی مدد سے نجیب اللہ کے اقتدار کا خاتمہ کیا۔ یہ بھی بتایا گیا کہ حزب اسلامی کے حکمت یار نے اس اقدام کی مخالفت کرتے ہوئے حملہ کرنے کی نیت سے کابل کا محاصرہ کر لیا تھا۔

مجاہدین کے لئے اقوام متحدہ کے ایلچی بینن سیوان اس سے متصلاً قبل جمعرات ۱۵ر اپریل ۱۹۹۲ء کو پاکستان اور کابل کے کئی چکر لگا چکے تھے۔ اقوام متحدہ' امریکہ' پاکستان' سعودی عرب اور ایران مسئلے کے حل اور افغانستان میں عبوری نگران کونسل کے قیام کے لئے گفت و شنید میں مسلسل مصروف رہے تھے۔ مزید براں انہوں نے یک طرفہ طور پر حکمت یار کو نگران کونسل کے سربراہ بنائے جانے کی شدید مزاحمت کی جس کے جواب میں حکمت یار نے مسعود کی حکمرانی ماننے سے انکار کر دیا۔ اس تمام عرصہ میں ہر طرح کے مذاکرات کا سلسلہ جاری رہا مگر کسی ایک نے بھی نظام خلافت کی بات نہیں کی' سارا زور نام نہاد "اسلامی حکومت" قائم کرنے پر صرف کیا گیا اور یہ کہ اس حکومت میں کس گروپ کو شامل کیا جائے اور ہر گروپ کے لئے عہدوں کی تعداد کیا؟ - وغیرہ-

امت مسلمہ کو افغانستان سے کیا سبق لینا چاہئے' اس سے پہلے اسی کے اہم نکات اچھی طرح ذہن نشین کر لئے جانے چاہئیں:

۱)۔ امت مسلمہ نے اس جنگ کی بڑی بھاری قیمت ادا کی ہے۔ کسی ایک مسلمان کی جان بھی انتہائی قیمتی ہوتی ہے جبکہ یہاں بیس لاکھ سے زائد مسلمان پہلے ہی اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں۔

۲)۔ الجزائر کے مسلمانوں نے ماضی میں دس لاکھ کی تعداد میں جام شہادت نوش کیا تھا۔ نظر ایسا آتا ہے کہ ۱۹۶۲ء میں جو کچھ الجزائر میں ہوا' وہی افغانستان میں دہرایا جا رہا ہے یعنی اسلام کے نام پر علماء نے جو جدوجہد کی تھی اس کا فائدہ سوشلسٹوں اور سیکولر عناصر نے اٹھایا۔

ان دو نکات کو سامنے رکھتے ہوئے جو نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ:

۱)۔ مسلمان ٹھیٹھ اسلامی طریق کار اختیار نہیں کرتے۔ بجائے اس کے کہ حالات ہمارے قابو میں رہیں' بدقسمتی سے ہم حالات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہم نے افغانستان کی جنگ اس لئے لڑی کہ کسی نے ہمارے لئے لائحہ عمل طے کر دیا تھا۔ یہ لائحہ عمل امریکہ اور اس کے حواریوں کا ترتیب دیا ہوا تھا۔

۲)۔ جنگ کے دوران میں پاکستان' سعودی عرب اور مصر نے مجاہدین کے لئے اپنے دروازے کھلے رکھے لیکن اب ایک دم تمام حکومتوں نے ان سے آنکھیں پھیر لی ہیں۔ پیشتر ازیں پاکستان نے ہر ایک کو اپنے ہاں آکر افغان جنگ میں حصہ لینے کی اجازت دے رکھی تھی' اب وہ انہیں یہ کہہ کر باہر نکال رہے ہیں کہ ان کے پاس پاکستان میں ٹھہرنے کا اجازت نامہ نہیں ہے یعنی آج وہی جانباز غیر ملکی کہلا رہے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ پاکستانی حکومت نے ایک دم اپنا چہرہ کیوں بدل لیا؟۔ اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ پاکستانی آقاؤں نے جو ایجنڈا دیا تھا اس کے مطابق "جہاد" اب ختم ہو گیا ہے لہٰذا مسلمان واپس جائیں۔ آئندہ کبھی پاکستان جیسی کوئی حکومت اس طرح کا جال پھیلاتی ہے تو ظاہر ہے کہ مسلمان ہرگز اس کے پھندے میں نہیں آئیں گے۔ مراکش سے لے کر ملائیشیا تک جتنی بھی مسلمان حکومتیں ہیں' ان کا اسلام سے سرے سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہر جگہ باطل نظام کا غلبہ ہے لہٰذا یہ توقع کرنا کہ یہ حکومتیں افغانستان میں یا کہیں اور جہاد کے لئے کام کریں گی' محض خیال خام ہے۔

۳)۔ موجودہ پاکستانی حکومت مجاہدین کے خلاف سازشی کردار ادا کر رہی ہے اور ستم ظریفی تو یہ ہے کہ جماعت اسلامی بھی نواز شریف کی زیر قیادت نام بنام اسلامی جمہوری اتحاد میں شمولیت کے ناطے اس وقت اقتدار میں شریک تھی۔ اسی وجہ سے ایک مسلمان بھائی' کمال حلبوی (شعبہ علوم سیاسیات' اسلام آباد) قاضی حسین احمد امیر جماعت اسلامی کو آمادہ کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہے کہ عرب نوجوانوں کی پاکستان سے بے دخلی کے بارے میں وہ کچھ کریں۔ گو مسلمانوں کے لئے جہاد ایک دینی فریضہ ہے مگر نظام خلافت کی عدم موجودگی میں اس کے لئے مخصوص تیاری کی ضرورت ہے ورنہ مثبت نتائج برآمد نہیں ہو پائیں گے۔ ہاں' جب تک نظام خلافت قائم تھا جہاد کی برکات سے سب واقف تھے۔

جو کچھ الجزائر میں ہوا اور اب افغانستان میں ہو رہا ہے' ایک ہی افسوس ناک انجام دکھائی دیتا ہے۔ چونکہ مسلمان آغاز کار سے ہی بنیادی تقاضے ملحوظ نہیں رکھتے اس لئے انجام کار قومی طاقتیں فائدہ اٹھا جاتی ہیں۔ اقوام متحدہ کی آشیرباد سے یہی حشر فلسطین اور اریٹیریا وغیرہ میں ہونے والا ہے۔

تمام مسلمان حکومتیں مغرب کی آلہ کار ہیں جن کے پیش نظر جذبہ جہاد کو غلط رخ دے کر کمزور اور ناکام بنانا ہے لہٰذا جب بھی ان کی جانب سے جہاد کا نعرہ بلند ہوگا' اس کا مقصد مسلمانوں کے جوش کو ٹھنڈا کرنا یا پھر مغرب کی جنگ لڑنا ہوگا --- مجاہدین کے اس بیان سے کہ "ہم نے آزاد دنیا کی خاطر جنگ کی" واضح طور پر اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے۔○○

بقیہ تجزیہ

سندھ میں درپیش ہے وہ اس خیال ہی کا عملی نتیجہ ہے کہ فوج تنہا حالات درست کرسکتی ہے۔ طویل مارشل لاء نے اس خیال کو غلط ثابت کیا ہے۔ سندھ کے حالات کو صرف سندھ کی نمائندہ قیادت ہی بہتر بنا سکتی ہے مگر معلوم نہیں کیوں ہمیں اس نمائندہ قیادت سے بیر ہوگیا ہے اور ہم اسے پچھاڑ کے اس کے سینے پر سوار ہو کر ہی سندھ کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح کی اصلاح کا دعویٰ کرنے والوں نے صرف فساد پھیلایا ہے اور فوجی آپریشن بھی اصلاح کے نام پر نئے فساد کا سبب نہیں بننا چاہیے۔○○

بقیہ: تذکر و تفکر

اندیشہ موجود ہے کہ رسہ ہی بیچ میں سے ٹوٹ جائے ---- مزید برآں اس تعطل میں بھی خلا تو بہر حال موجود نہیں ہے اور اس (Status Quo) کے معنی بھی تو یہی ہیں کہ جاگیرداری نظام بھی جوں کا توں برقرار ہے اور سودی معیشت بھی علیٰ حالہ قائم و دائم ہے اور نفاذ شریعت ایکٹ بھی نافذ ہوا ہے تو ایسا جسے جملہ مذہبی جماعتوں نے "انسداد شریعت ایکٹ" قرار دیا ہے۔ رہی مغربی معاشرت اور اس کے لوازم یعنی عریانی، بے حیائی اور فحاشی تو وہ دن دونی رات چوگنی ترقی کر ہی رہے ہیں!

حاصل کلام یہ کہ انتخابی سیاست کے میدان میں سرگرم مذہبی جماعتوں کو اپنی حکمت عملی (Strategy) پر نظر ثانی کی شدید ضرورت ہے۔ چنانچہ بعض جماعتیں اس وقت اس انداز سے سوچ بھی رہی ہیں۔ لیکن بحالات موجودہ یہ اندیشہ وہمی اور خیالی نہیں ہے کہ وہ کسی Dرد عمل کا شکار ہو کر دوسری انتہا کی جانب نکل جائیں اور ماحول کو کم از کم حد تک ساز گار بنائے بغیر، اور خود اپنی صفوں کی ترتیب و استواری، اور کارکنوں کی تربیت اور تزکیے کے ناگزیر تقاضے پورے کئے بغیر تصادم کی راہ اختیار کرلیں جس کا نتیجہ ملک و قوم کے حق میں بھی تباہ کن ہوگا اور دین و مذہب کے لئے بھی نہایت افسوس ناک!--- بنا بریں اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اس منہج نبوی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کو اچھی طرح سمجھا جائے جس کے ذریعے تاریخ انسانی کا پہلا اسلامی انقلاب برپا ہوا تھا اور جسے اختیار کئے بغیر ع "خدایا! آں کرم بارے دگر کن!" کی آرزو شرمندۂ تکمیل نہیں ہوسکتی!

بقیہ وفاق کا معمہ

بڑے صوبوں میں ممکن نہیں ہوتا۔ اسطرح چھوٹے صوبوں میں عوام جلد یا بدیر غیر جانبدار کارکردگی، دیانت داری اور انصاف کو سراہنے لگیں گے اور سیکھنے اور سراہنے کا عمل جاری و ساری رہے گا۔

مندرجہ بالا حقائق کی بناء پر وفاقی علاقہ اسلام آباد کے علاوہ موجودہ چار غیر متناسب صوبوں کی جگہ مندرجہ ذیل 19 متوازن صوبے بنانے کی تجویز ہے۔

(۱) حیدر آباد (۲) کراچی (۳) سکھر (۴) لاڑکانہ (۵) مکران (۶) قلات (۷) کوئٹہ (۸) ڈیرہ غازی خان (۹) بہاولپور (۱۰) ملتان (۱۱) لاہور (۱۲) فیصل آباد (۱۳) گوجرانوالہ (۱۴) سرگودھا (۱۵) راولپنڈی (۱۶) ڈیرہ اسماعیل خان (۱۷) پشاور (۱۸) مالاکنڈ (۱۹) ہزارہ۔

نوٹ۔ فاٹا کے علاقے مالاکنڈ، پشاور اور ڈیرہ اسماعیل خان کے ملحقہ صوبوں کے ساتھ ضم کر دئے جائیں گے۔

بقیہ خواتین سے خطاب

لہٰذا میں چاہوں گا کہ آپ انجمن کی ممبر بھی بنیں۔ خواتین محسنات، مستقل اراکین اور عام اراکین میں شامل ہوں۔ اس میں اور تو کوئی تنظیمی ذمہ داریاں نہیں ہیں بس مالی تعاون ہے۔ اسطرح اگر ان کا علیحدہ حلقہ قائم ہوجاتا ہے تو اپنی تعلیم اور تدریس کا علیحدہ مطالبہ کرسکتی ہیں۔ ابھی تک یہ قائم نہیں تھا اور میں اپنی کوتاہی تسلیم کرنے کو تیار ہوں۔ انجمن کے زیر اہتمام یہ جو ہال سج گیا ہے اس پر بھی میں حیران ہوں کہ یہ کیسے قائم ہوا۔ مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں کیونکہ انجمن کے مالی معاملات کے بارے میں مجھے کچھ پتہ نہیں اور نہ ہی میں نے انجمن کے کسی پیسے کو کبھی ہاتھ لگایا ہے۔ اس کام میں ہم نے کسی ملک یا سعودی عرب سے کوئی مدد نہیں لی نہ ہی کوئی پیٹرو ڈالر کہیں سے آیا ہے۔ یہاں تک کہ جب ضیاء الحق صاحب کے دور میں شوریٰ کا ممبر تھا اس وقت بھی میں نے اپنی کسی تقریب میں ان کو کبھی دعوت نہیں دی۔

چنانچہ خواتین انجمن اور تحریک خلافت میں شمولیت اختیار کریں اور تنظیم اسلامی جو اس درخت کا تنا ہے، میں شمولیت کے لئے سنجیدگی سے غور کریں۔

بقیہ افتتاحیہ

والے واقعات کی تفصیل سے بھرے ہوتے ہیں۔ ہر زبردست اپنے زیر دست پر ستم روا رکھنے کو اپنا استحقاق سمجھتا ہے۔ خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں، عصمتیں لوٹی جارہی ہیں، مال و اسباب ہتھیایا جارہا ہے، محض ایک مخصوص طبقے کی آبرو محفوظ ہے اور عزت نفس قسم کی چیز تو کسی عام شہری کو اپنی ملکیت میں رکھنے کی اجازت ہی نہیں۔ حکومتوں اور ان کے محکموں کا ظلم و جبر اپنی جگہ، جاگیرداروں اور وڈیروں کا حصہ بقدر جثہ ہے، سیاسی چودھری الگ خراج وصول کررہے ہیں اور سرمایہ داروں کو بھی کھلی چھٹی ہے کہ دست تعدی دراز کر کے جتنا کھینچ سکتے ہیں، کھینچ لیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مظلوموں میں سے بھی جس کا بس چلتا ہے وہ کسی مظلوم تر بھائی پر ستم ڈھانے سے نہیں چوکتا۔ گویا اوپر سے نیچے تک ظلم کی ایک زنجیر لٹک رہی ہے اور معاشرے کے سب طبقات اس کی کڑیاں ہیں، کچھ اوپر کی، کچھ بالکل اوپر کی، کچھ نیچے کی، کچھ بالکل زمین سے لگی گھسٹتی۔

ظلم (یعنی فساد کی جڑ) کا یہ لامتناہی اور پیچ در پیچ سلسلہ بندوں کے اپنے خالق و مالک کی فرمانبرداری سے قولی یا عملی انکار سے شروع ہوتا ہے اور نفس کی غلامی کے بل پر چلتا ہے۔ بندہ اللہ کے سوا کسی اور جذبے کا مطیع ہوجائے، وہ ہوائے نفس ہو یا کوئی اور مفاد جسے تقدس کا جامہ پہنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ خوبصورت ناموں سے موسوم کیا جاسکتا ہے، تو یہی شرک ہے ---- معنوی اور حقیقی شرک جس میں عام مسلمان ہی نہیں، توحید کے نقارے پر چوٹ لگانے والے بھی مبتلا ہوگئے ہیں۔ گویا سب سے بڑا ظلم یہی شرک ہے۔ جس کا نام سن کر تو ہم توبہ توبہ کرتے ہیں، لیکن عملاً اس میں پوری طرح ملوث ہیں اور بطور عقوبت فساد کی سزا بھگت رہے ہیں جس نے بحر و بر پر تسلط جما لیا ہے۔ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ○○

حضرت عمرؓ نے چھ صحابہ کا پینل مقرر کیا کہ آپس میں کسی ایک کو کثرت رائے سے خلیفہ چن لیں۔ تین نے اپنے نام واپس لے لئے ۔ باقی تین میں سے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اس شرط پر اپنا نام واپس لے لیا کہ انہیں باقی دو میں سے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کرنے کا اختیار دیدیا جائے ۔ اختیار ملنے پر انہوں نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ مقرر کردیا ۔

اس پورے واقعے میں امید واری کا تو کوئی شائبہ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ شروع سے آخر تک حضرت عمرؓ کے حکم کی پابندی کی جا رہی تھی ۔ چھ صحابہ میں سے کسی نے اپنی امیدواری کی کوئی خواہش نہیں کی تھی ۔ وہ تو حضرت عمرؓ کی طرف سے بھی نامزدگی تھی اور بعد میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی طرف سے بھی نامزدگی تھی ۔ کسی شخص نے اپنی نامزدگی کے لئے کوئی کوشش کوئی رائے کا اظہار نہیں کیا ۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے نتیجہ نکالا ہے کہ "اسے سوائے انتخاب کی امید واری کے کوئی دوسرا نام دیا ہی نہیں جاسکتا" البتہ اس کا جواز نکالا جاسکتا ہے کہ کسی شخص کو کچھ اور لوگ امید وار نامزد کر کے انتخاب کے لئے پیش کردیں جیسا کہ جماعت اسلامی نے بھی ایک مرتبہ انتخاب میں یہ عمل آزمایا ۔

امید ہے کہ آپ میرا یہ خیال ڈاکٹر صاحب تک پہنچا دیں گے۔ اگر ممکن ہو تو آپ میرا یہ خط اور اس کا جواب "ندائے خلافت" میں شائع کردیں بلکہ اگر ڈاکٹر صاحب گوارا کرسکیں تو نوائے وقت میں ہی آئندہ کالم کے ساتھ اس کا جواب عنایت فرمادیں کیونکہ معاملہ سیاسی طور پر بہت اہم ہے ۔ میں نے نوائے وقت کو بھی خط لکھا ہے مگر شاید وہ میرا خط شائع نہیں کرے گا اور یہ معاملہ تصفیہ طلب رہ جائے گا ۔

والسلام

(پروفیسر) اسرار احمد سماوری

☆....☆...☆

ہماری اولین کوشش تو یہی ہوگی کہ آپ کے اشکال کا جواب نوائے وقت کے ذریعے ہی دیا جائے تاہم اس میں ناکامی ہوئی تو ڈاکٹر صاحب کی وضاحت اپنے جریدے میں ہی شائع کردی جائے گی... (مدیر)

سید معین الدین شاہ صاحب کے نام

آپکے دو مضامین جو ندائے خلافت شمارہ ۶ اور ۲۰ میں بسلسلہ "نفاذ اسلام میں ایک آئینی ترمیم" چھپے' میں نے اور میرے دوستوں نے بڑی دلجمعی سے پڑھے ہیں۔ میں آپکے دوسرے مضمون کا منتظر تھا جو موجودہ شمارہ میں آگیا جس کے لئے ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں ۔ ہمیں یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ اتنے لائق اور سمجھ دار لوگ تحریک خلافت کی ٹیم میں شامل ہوگئے ہیں جو اپنی کوششوں سے تحریک خلافت کو اپنی آخری منزل تک لیجانے میں انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوں گے۔

آج تک ہر دینی جماعت اپنے مسلک اور مذہب کے فروعی مسائل کی جانب ہمیں راغب کرتی رہی اور وہ انہی ضروری مسائل کو دین سمجھ بیٹھی ہیں کیونکہ کسی ایک نے بھی صحیح سمت کی رہبری نہیں کی اور معاشرہ آج تک نفاذ اسلام کی بھول بھلیوں میں بھٹکا رہا۔ ہر سچا مسلمان سوچنے پر مجبور ہوگیا ہے کہ ان فروعی مسائل کے علاوہ بھی کیا اسلام کی کوئی ٹھوس شکل موجود ہے؟

لیکن آپکے مضمون نے ہماری سوچ کو صحیح سمت میں ڈال دیا ہے ۔ ہم آپکی آراء کی پر زور تائید کرتے ہیں۔ کاش ہمارے اکابرین حکومت و جملہ ممبران نیشنل اسمبلی جو اکثر اپنے اختیارات کو ہمیشہ مقدم سمجھتے ہیں' اپنے آپ کو مسلمان مانتے ہوئے اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو مقدم سمجھتے۔ انہیں اپنے مظلوم ووٹرز جن کو وہ بھلا چکے ہیں اور وہ وعدے پھر یاد آجائیں کہ اصل میں جس مقصد کے لئے انہیں قوم نے اسمبلیوں میں بھیجا ہے' وہ صرف نفاذ اسلام ہے۔ سڑکیں اور گلیاں بنانا تو ثانوی درجہ رکھتی ہیں ' اصل میں پاکستان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کرنا ہے۔ اگر انہیں یہ بات یاد آجائے اور اس کو عملی جامہ پہنادیں تو یہ مظلوم قوم پر ایک عظیم احسان ہوگا۔

جو مجوزہ ترمیم اسلامی آئین کے آرٹیکل ۲۔ ب میں آپ نے پیش کی ہے' یہی اسلامی نظام کی اصل جڑ ہے۔ جب تک یہ مجوزہ ترمیم آئین پاکستان کا جز نہ ہوگی' پاکستان صحیح طور پر اسلامی فلاحی ریاست نہیں بن سکے گا۔

آپ سے گزارش ہے کہ اپنے ان مضامین کی نقول ہر ممبر قومی اسمبلی و ممبران سینٹ خصوصاً اسلام پسند جماعتوں کو ارسال کی جائیں تاکہ غیر سرکاری طور پر ہی سہی' آئین میں ترمیمی بل قومی اسمبلی میں پیش کیا جائے اور اسکی منظوری کے لئے متفقہ کوشش کی جائے۔ یہی ہم مظلوم پاکستانیوں کی دیرینہ امید ہے ۔ کاش وہ ایسا کرسکیں!۔ آپکا تازیانہ انکو صراط مستقیم تک لے جانے میں انشاء اللہ ضرور مددگار ثابت ہوگا۔

محمد امتیاز خان
مکان نمبر۔۲۶ گلی نمبر۔۲۸ شائین پارک
سلطان پورہ لاہور۔ ۵۴۹۰۰

ایک مرد خدا مست کی لذیذ حکائت جس نے برصغیر میں
اسلامی انقلاب کی دو شمعیں فروزاں کیں

مولانا ابوالکلام آزاد' سید ابوالاعلیٰ مودودی
اور مستری صاحب

مستری محمد صدیقؒ کی واحد نشانی ' رحمان صدیقی نے جسے مرتب کیا

قیمت ۶۵ روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن

۳۶' کے۔ ماڈل ٹاؤن لاہور

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36 -K,Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

شاہراہ حیات اور ٹریفک کے قوانین

پابندی اور پامالی کے نتائج کبھی یکساں نہیں ہوتے

رحیم کاشفی

حادثات یونہی وقوع پذیر نہیں ہو جاتے' ان کے پیچھے اسباب و علل کارفرما ہوتے ہیں۔ حادثات عموماً اصول و قوانین کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ غفلت' بے پرواہی' مقررہ حدود سے تجاوز ان کا سبب بنتے ہیں۔ شاہراہوں پر آئے دن خوفناک تصادم اور گاڑیوں کے پلٹ جانے کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ جو گاڑیاں حادثات کا شکار ہو جاتی ہیں ان میں سے اکثر ناقابل مرمت ہو جاتی ہیں اور انہیں کباڑ سے اٹھا لے جاتے ہیں۔ مختلف حصوں کی اونی پونی قیمت لگائی جاتی ہے یا انہیں مختلف شکلوں میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ البتہ جو مرمت کے قابل پائی جاتی ہیں انہیں مستری' مکینک صاحبان کے حوالے کر دیا جاتا ہے وہ مرمت و درستگی کے مرحلوں سے گزر کر سڑکوں پر دوبارہ رواں دواں ہو جاتی ہیں۔

قوموں کی زندگی میں بھی حادثات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی خلاف ورزی اتنی شدید ہوتی ہے کہ شاہراہ زندگی پر حادثہ کی شکار قوم کو ناقابل مرمت قرار دے کر کچرے پر ڈال دیا جاتا ہے' وہ نیست و نابود ہو جاتی ہیں یا ان کی شکلیں بھی بدل دی جاتی ہیں' تاریخ عالم میں یہ حادثے ہوئے اور بار بار ہوئے۔ قوم نوح ڈبو دی گئی' قوم صالح برباد کر دی گئی' قوم شعیب و لوط معدوم ہو گئیں' قوم موسیٰ کا حلیہ بگاڑ دیا گیا۔

پھر دور محمدیؐ میں بغداد تباہ ہوا' بیت المقدس میں خون مسلمان ارزاں ہوا' ہسپانیہ سے دیس نکالا ملا۔ ملت نے جب حکم عدولی کی یا نافرمانی کی روش اختیار کی' اسے فوراً تنبیہ دی گئی اور اصلاح احوال کی کوئی سبیل نہ کرنے پر اسے تباہی سے دوچار ہونا پڑا۔ یہی سنت الٰہی عربوں اور ملت اسلامیہ پاکستان کے ساتھ بھی دوہرائی گئی۔ نصف صدی قبل جب برعظیم کے مسلمانوں نے اطاعت خداوندی کا عہد کیا تو رحمت الٰہی کو جوش آ گیا۔ سو سالہ غلامی سے نجات ملی اور ایک عظیم سلطنت کے امین قرار پائے۔ لیکن بد عہدی کی سزا کے طور پر اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ پوری امت قومیتوں کی شکل میں پرزہ پرزہ ہو کر منتشر پڑی ہوئی ہے۔ شاہراہ حیات پر یہ حادثہ اور بہت بڑا حادثہ یوں ہی نہیں ہو گیا' ٹریفک کے قوانین سے انحراف نے اس المناک حادثہ کو جنم دیا ہے۔

یہ مہلت عمل کا دور ہے۔ دوران مہلت' ملت کو شاہراہ حیات کے قوانین خداوندی کا خوگر بنانے کیلئے رجوع الی القرآن کی تحریک برپا کی گئی ہے تاکہ قرآن واقعتاً مسلمانوں کیلئے امام' نور' ہدایت اور رحمت بن جائے۔ اور نور قرآن سے دلوں کے ساتھ شاہراہ زندگی بھی جگمگانے لگے۔ پھر تحریک خلافت کے عنوان سے ایک قافلہ سوئے منزل رواں ہے جو کاروان ملت کا حدی خواں بھی ہے اور نقوش پائے اسلاف کا پاسباں بھی۔ اسلامی انقلاب برپا کرنے کا عزم مصمم کرنے والے اس کے معاون و مددگار ہیں۔

جغرافیائی سرحدوں کے پار شمال مغرب میں عزم مصمم کرنے والوں نے ایک طویل جنگ لڑی ہے اور فتحمندی سے ہمکنار ہوئے۔ جنگ ختم ہو چکی ہے لیکن جہاد جاری ہے اور جاری رہے گا' اس کو ترک کر دینا مسلمان کی موت ہے' جہاد کا آغاز نفس کے ساتھ کشمکش سے ہوتا ہے اور اس کی چوٹی قتال فی سبیل اللہ ہے۔ دیکھئے وہاں جمہوریت کی نیلم پری جلوہ گر ہوتی ہے یا مسند خلافت بچھانے کی سبیل کی جاتی ہے!

البتہ ملک عزیز میں ۴۵ سال سے جمہوریت اور مارشل لا کے درمیان آنکھ مچولی جاری ہے کبھی یہ کاندھے پر کبھی وہ کاندھے پر۔ کبھی جمہوریت اسلامی ہو جاتی ہے کبھی مارشل لا مشرف بہ اسلام۔ بگڑے ہوئے معاشرے میں خلافت کی آواز بلند کرنا کوئی آسان کام نہیں کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں۔ جاگیردارانہ نظام پندرھویں صدی کی ایک دہائی گزر جانے کے باوجود اپنے پنجے جمائے بیٹھا ہے۔ سود کی حرمت کے خلاف جتھہ بندی ہے' معاشرہ طبقات میں تقسیم ہے اور اس کا رنگ گہرا ہوتا جا رہا ہے۔ مہنگائی ہے کہ کنٹرول سے باہر ہے یا دراصل اس پر کنٹرول ہی نہیں کیا جاتا۔ پیر کا گھر بجلی کے چراغوں سے مزین ہے' مرید کے گھر میں مچھروں نے اڈہ جما رکھا ہے۔ ہر بجٹ ایک تازیانہ بن کر آتا ہے۔ معیار زندگی بلند کرنا دور کی بات ہے' برقرار ہی رہ جائے تو بڑی بات ہو گی۔

آخر وہ بجٹ کب پیش ہو گا جس سے مہنگائی میں اضافہ نہ ہو' بے روزگاری ختم ہو اور افراط زر کا خاتمہ ہو سکے۔ ایسے بجٹ کے لئے ایک عادلانہ نظام کی ضرورت ہے جس میں محنت کو تحفظ حاصل ہو' زمینداری کا خاتمہ ہو جائے' مزارع اپنی محنت کا پھل خود پائے' جبری مشقت کا تصور تک نہ ہو' تعلیم و علاج مفت ہو اور روٹی کپڑا مکان کی فراہمی حکومت کے ذمہ ہو۔ جب مسلمان معاشرہ میں ایسا نظام قائم ہو گا تو اسی کا نام نظام خلافت ہو گا اور یہ انہونی بات نہیں' تاریخ میں ایسا ہو چکا ہے۔ تاریخ خود کو دہرانے کیلئے تیار بیٹھی ہے لیکن صرف تمناؤں سے معرکے سر نہیں ہوا کرتے۔ اس منزل تک پہنچنے کیلئے اجتماعی جدوجہد ناگزیر ہے۔ تحریک خلافت نے اس سمت پیش قدمی کر کے ایک پگڈنڈی بنائی ہے' آنے والے شاہراہ تعمیر کریں------ شاہراہ خلافت لیکن ٹریفک کے قوانین کی پابندی بہرحال نہایت ضروری ہے۔ O